13

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

27 مارچ تا 2 اپریل 2012ء/3 تا 9 جمادی الاُولیٰ 1433ھ

نفاق سامنے کب آتا ہے؟

قرآن حکیم میں جن منافقین کا تذکرہ ہے ان کی اکثریت غیر شعوری نفاق کی حامل تھی۔ انسان کے اندر ایک فیکلٹی ہے جسے انگریزی زبان میں rationalization کہا جاتا ہے۔ یعنی ایک مجرم جرم کر رہا ہوتا ہے تو وہ ساتھ ساتھ اپنے آپ کو مطمئن (justify) بھی کر رہا ہوتا ہے۔ ایک کارخانہ دار مزدور کا استحصال کر رہا ہوتا ہے اور اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے کہتا ہے کہ چونکہ مزدور دل لگا کر محنت سے کام نہیں کرتا لہٰذا مجھے اس کا حق مارنے کا استحقاق ہے۔ دوسری طرف مزدور کارخانہ دار کی چوری کرتا ہے اور اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے کہتا ہے کہ چونکہ مالک ہمارا استحصال کرتا ہے، ہمارا خون چوستا ہے، لہٰذا چوری کرنے کا مجھے حق ہے۔ اسی نفسیاتی اصول کے تحت عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدانِ احد سے واپس ہوا تھا کہ جب آپؐ ہماری بات نہیں مانتے، ہمارا مشورہ نہیں سنتے، تو ہم خواہ مخواہ اپنے آپ کو خطرے میں کیوں ڈالیں؟

﴿يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ﴾

"وہ کہتے ہیں کیا اس اہم معاملے میں ہمارا بھی کوئی حصہ تسلیم ہے؟"

اور پھر کہتے ہیں کہ اگر ہماری بات مان لی جاتی تو "مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا" "تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔"

جس معاشرے میں دعوت و تحریک نہیں ہوتی اور جمود (stagnation) ہوتا ہے وہاں ایمان کا بھی جمود ہوتا ہے۔ اگر کسی انسان کا ایمان زیرو لیول پر ہے تو وہیں پڑا رہے گا۔ جونہی وہاں دعوت و تحریک کا آغاز ہوگا امتحان و آزمائش کا مرحلہ بھی شروع ہو جائے گا۔ اگر ایمان کے تقاضے پر لبیک کہا تو ایمان کی ترقی و اضافہ کی طرف سفر شروع ہو جائے گا — جبکہ دوسری طرف علائق دنیوی انسان کو رکنے کا مشورہ دیتے ہیں کہ پاس بیٹھے رہو اور بہانہ بنا دو، یا جھوٹ بول دو، بلکہ ضرورت پڑے تو قسمیں کھا کر اس آزمائش سے خود کو بچا لو — بس ایسے ہی موقع پر نفاق نکھر کر سامنے آ جائے گا۔

حقیقت ایمان

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اس شمارے میں

خادم پنجاب میاں شہباز شریف کے نام!

بلوچستان: اصل مسئلہ اور حل (II)

انٹرنیٹ کے استعمال بارے رہنما اصول

خلافت فورم میں
مہران بنک اسکینڈل پر ایک مذاکرہ

حکیم دی ڈریم......

توبہ کی راہ میں حائل رکاوٹیں

تجدید قرارداد پاکستان

تنظیم اسلامی کی دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

سورۃ ہود

(آیات 62 تا 68)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٦٢﴾
قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ ۖ فَمَا تَزِيدُونَنِي
غَيْرَ تَخْسِيرٍ ﴿٦٣﴾ وَيَا قَوْمِ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ﴿٦٤﴾
فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾ وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ
جَاثِمِينَ ﴿٦٧﴾ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ﴿٦٨﴾

’’انہوں نے کہا صالحؑ اس سے پہلے ہم تم سے (کئی طرح کی) امیدیں رکھتے تھے (اب وہ منقطع ہوگئیں) کیا تم ہم کو ان چیزوں کے پوجنے سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے بزرگ پوجتے آئے ہیں۔ اور جس بات کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس میں ہمیں قوی شبہ ہے۔ صالح نے کہا قوم! بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے (نبوت کی) نعمت بخشی ہو تو اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو اس کے سامنے میری کون مدد کرے گا؟ تم تو (کفر کی باتوں سے) میرا نقصان کرتے ہو۔ اور (یہ بھی کہا کہ) اے قوم! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی (یعنی معجزہ) ہے تو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں (جہاں چاہے) چرے اور اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں جلد عذاب آ پکڑے گا۔ مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ تو (صالح نے) کہا کہ اپنے گھروں میں تین دن (اور) فائدے اٹھالو۔ یہ وعدہ ہے کہ جھوٹا نہ ہوگا۔ جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے صالح کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی مہربانی سے بچالیا اور اس دن کی رسوائی سے (محفوظ رکھا) بیشک تمہارا پروردگار طاقتور اور زبردست ہے۔ اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو چنگھاڑ (کی صورت میں عذاب) نے آ پکڑا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے۔ سن رکھو کہ ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا۔ اور سن رکھو ثمود پر پھٹکار ہے۔‘‘

قوم نے جب یہ دیکھا کہ حضرت صالح علیہ السلام اپنی دعوت مسلسل عام کررہے اور لوگوں کو بت پرستی سے منع کررہے ہیں تو وہ لوگ کہنے لگے، اے صالح، تم سے تو ہماری بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ تم قوم کے ہونہار اور ممتاز فرد تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ تم آباء واجداد کا نام روشن کروگے، مگر تم نے یہ کیا کردیا۔ تم نے تو یوں کہنا شروع کردیا کہ آباء واجداد کے طریقے اور اُن کے عقیدے غلط ہیں، اِن بتوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ تم ہماری امیدوں پر پورا اترنے کی بجائے ہمیں ان چیزوں سے روک رہے ہو جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اور یقیناً تم ہمیں جس چیز کی طرف بلا رہے ہو، اس کے بارے میں ہمیں شکوک وشبہات ہیں، ہمارا دل اس پر نہیں ٹھکتا۔ اس پر صالح علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! سوچو اگر میں پہلے سے ہی اپنے رب کی طرف سے بینہ پر تھا، میری فطرت سلیم تھی، تم دیکھتے تھے کہ میں تمہارے درمیان ایک اچھا انسان تھا تو اب جبکہ اللہ نے مجھے اپنے پاس سے رحمت (یعنی نبوت) عطا کردی تو اللہ کی نافرمانی کیسے کرسکتا ہوں۔ اگر میں ایسا کروں گا تو مجھے اللہ کی پکڑ سے کون بچا سکے گا۔ تم تو چاہتے ہو کہ میں اپنی اس چیز کو چھوڑ کر اپنے آباء واجداد کا طریقہ اختیار کرلوں اور ان کے معبودوں کی پوجا شروع کردوں۔ اس طرح تو تم میری تباہی کے درپے ہو۔

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو، دیکھو، یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔ یہ تمہارے لیے ایک نشانی ہے۔ اسے چھوڑے رکھو۔ یہ اللہ کی زمین میں چرتی رہے، جہاں سے چاہے کھائے، اور دیکھنا کسی برے ارادے سے اسے ہاتھ نہ لگانا، ورنہ تمہیں وہ عذاب آ پکڑے گا جو قریب ہی ہے۔ قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کی نصیحت کی کوئی پروا نہ کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور ہلاک کردیا۔ اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: کہ اب تم بس تین دن تک اپنے گھروں کے اندر رہ لو۔ جو کھانا پینا ہے کھا پی لو۔ اس کے بعد تم پر عذاب آنے والا ہے۔ اور یہ وہ وعدہ ہے جو جھوٹا ثابت نہ ہوگا۔ تین دن کے بعد قوم پر اللہ نے عذاب مسلط کردیا اور صالح علیہ السلام اور اُن پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی۔ اور انہیں اس دن یعنی قیامت کی رسوائی سے بچالیا۔ باقی قوم ہلاک کردی گئی۔ یقیناً آپ کا پروردگار زور والا اور زبردست ہے اور ان ظالموں، مشرکوں، کافروں کو ایک ہولناک آواز نے آ پکڑا۔ پس وہ اپنے گھروں کے اندر اوندھے پڑے رہ گئے۔ ایسے ہوگئے جیسے کبھی یہاں آباد نہ تھے۔ آگاہ ہو جاؤ، ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا۔ آگاہ ہو جاؤ پھٹکار ہے ثمود پر۔

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایوب بیگ مرزا

”خادمِ اعلیٰ“ پنجاب شہباز شریف بن میاں شریف کے نام!

اللہ تعالیٰ سورۂ آلِ عمران میں فرماتا ہے: (ترجمہ) ”اور سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا' اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اُس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے' اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔“ (آیت 103)

مفسرین قرآن کی اکثریت نے قرآن پاک کو حبل اللہ قرار دیا ہے' یعنی یہ وہ رسی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے لٹکائی گئی ہے۔ انسان اگر اس رسی کے سرے کو تھام لے تو تعلق مع اللہ قائم ہو جائے گا اور جتنی مضبوطی سے مسلمان قرآن پاک کو تھامے گا اتنا ہی مضبوط اس کا تعلق اسے نازل کرنے والی ہستی سے قائم ہو جائے گا۔ بعض مفسرین نے دین متین کو حبل اللہ قرار دیا ہے' لیکن اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا' اس لیے کہ دین اسلام سے مراد بھی قرآن پاک اور اس کی وہ تفاسیر اور تشریحات ہیں جو مفسرِ اعظم یعنی نبی اکرم ﷺ نے اپنے مبارک اقوال و افعال سے کیں' جن کے لیے حدیث اور سنت کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ گویا اگر ہم حبل اللہ سے مراد دین بھی لیں تب بھی قرآن پاک ہی کو مرکزی اور کلیدی حیثیت حاصل ہوگی۔ نبی اکرم ﷺ روزِ قیامت اللہ ربّ العزت کے دربار میں اپنی اُمت سے شکوہ کا اظہار کچھ یوں کریں گے: (ترجمہ) ”اور رسول کہیں گے کہ اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔“ (الفرقان:30)

حاصل بحث یہ ہے کہ جس نے اللہ کے کلام سے اپنے تعلق کو کمزور کیا شفیق و کریم نبی ﷺ سے اس کا تعلق مضبوط رہ ہی نہیں سکتا۔ ایسی صورت میں یہ تعلق مصنوعی اور خود فریبی پر مبنی ہوگا۔ مسلمانوں کے لیے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اصل اثاثہ اور سرمایہ ہے۔ جو مسلمان اس دولت سے محروم ہوا وہ دنیا میں بطور مسلمان رجسٹر تو ہوگا' قانونی طور پر ان تمام مراعات کا حق دار بھی ہوگا جن کا ایک مسلمان دعوے دار ہوتا ہے' لیکن حقیقت کیا ہوگی؟ اسے ہم اس لیے زیر بحث نہیں لائیں گے کہ نہ ہی یہ ہمارا موضوع ہے اور نہ ہی ہم اس حوالہ سے مستند اور معتبر ہونے کے دعوے دار ہیں' بلکہ اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ جس مبارک کتاب کو اللہ تعالیٰ نے حبل اللہ قرار دیا ہے اس کے ہم پر کیا حقوق ہیں۔

بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا ایک کتابچہ ”مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق“ کے نام سے ہے' جس میں انہوں نے مسلمانوں پر قرآن مجید کے پانچ حقوق گنوائے ہیں: (1) ایمان و تعظیم (2) تلاوت و ترتیل (3) تذکر و تدبر (4) حکم و اقامت (5) تبلیغ و تبیین۔ اولاً یہ کہ خالق کائنات کے پاک کلام پر ایمان لایا جائے اور دل و جان سے اس کی عزت اور احترام کیا جائے۔ ثانیاً یہ کہ باوضو ہو کر تجوید اور خوش الحانی سے تلاوت کی جائے اور اس میں باقاعدگی اور تسلسل ہو۔ ثالثاً یہ کہ اگرچہ ہمارا ایمان ہے کہ کوئی عجمی بھی جب قرآن کو بلا سمجھے اور مطالب و مفہوم جانے بغیر پڑھے تب بھی وہ ثواب کا حق دار ہے' لیکن اتنے ثواب کا حقدار نہیں ہوگا جتنا وہ شخص چاہے وہ عربی ہو یا عجمی جو مطالب و مفاہیم سمجھ اور جان کر پڑھے گا۔ پھر یہ کہ قرآن کتابِ ہدایت ہے۔ اگر قرآن کا کوئی قاری اس پکار اور اس صدا ہی کو سمجھ نہ سکے گا اور ان مطالبات کا شعور ہی نہیں رکھے گا جو قرآن پاک ایک مسلمان سے کر رہا ہے تو اس کا مطلوب انسان کیسے بن سکے گا؟ اور اگر وہ خود قرآن کو سمجھنے سے قاصر ہوگا تو حکم و اقامت اور تبلیغ و تبیین یعنی چوتھے اور پانچویں حقوق کی ادائی ناممکن نہ سہی، انتہائی مشکل اور پرخطر تو ہوگی۔ حکم و اقامت سے مراد انفرادی اور اجتماعی سطح پر قرآن پر عمل کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے ماننا' پڑھنا اور سمجھنا' سب کچھ اصلاً عمل ہی کے لیے مطلوب

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان' نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

بانی: **اقتدار احمد** مرحوم

27 مارچ تا 2 اپریل 2012ء — جلد 21
3 تا 9 جمادی الأولیٰ 1433ھ — شمارہ 13

مدیر مسئول: **حافظ عاکف سعید**

مدیر: **ایوب بیگ مرزا**

نائب مدیر: **محبوب الحق عاجز**

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' **طابع:** رشید احمد چودھری

مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000

فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241

E-Mail:markaz@tanzeem.org

مقامِ اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700

فون: 35869501-03 فیکس: 35834000

publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک......450 روپے

بیرونِ پاکستان

انڈیا------------------(2000 روپے)

یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)

امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)

ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر ”مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن“ کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

”ادارہ“ کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

ہے۔اسی لیے مسلمان معاشروں میں اور برصغیر میں شروع ہی سے بچوں کو گھروں اور مساجد میں قرآن پڑھایا جاتا تھا‘ پھر باقاعدہ مدارس قائم ہو گئے۔

جب انگریز ہندوستان پر قابض ہوا تو یہ ذہین وفطین قوم جس کا باطن شرارت اور خباثت کا شاہکار تھا‘ یہ جان گئی کہ ہندوستان کی مختلف اقوام میں سے مسلمان ایک ایسی قوم ہے جو راکھ کا ڈھیر تو بن چکی ہے لیکن اس راکھ میں چنگاری موجود ہے۔ علاوہ ازیں اس قوم کے پاس ایک نظریہ ہے جس کی بنیاد پر اقلیت ہونے کے باوجود اکثریت پر صدیوں حکومت کرتی رہی ہے۔ جہاں تک ہندوؤں کا تعلق ہے وہ پہلے ان کی غلام تھی اب ہماری غلام ہے‘ لہٰذا ہندوستان میں اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے مسلمانوں کو نشانہ پر رکھنا ہو گا۔ چنانچہ تلوار کے ذریعے ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی اور عسکری اقتدار کو ختم کرنے والے برطانوی سامراج نے مسلمانوں کو ذہنی غلام بنانے کے لیے اور نظریاتی سطح پر ضرب لگانے کے لیے قلم اور نظامِ تعلیم کو استعمال کیا۔ اور سچی بات یہ ہے کہ یہ ضرب اتنی کاری تھی کہ ہند کے مسلمانوں کا جسد اور روح بُری طرح گھائل ہوئی۔

تحریک پاکستان جس بنیاد پر چلی اور پاکستان جس انداز میں معرضِ وجود میں آیا‘ دوست تو دوست دشمن بھی سمجھتے تھے کہ ایک اسلامی ریاست کا قیام نظام تعلیم کو یقیناً نئے سرے سے دوبارہ صراطِ مستقیم پر گامزن کر دے گا۔ یعنی نظام تعلیم کا رخ خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کی طرف موڑ دیا جائے گا اور نئی نسل کے اذہان وقلوب میں ہی نہیں رگ رگ میں قرآن و حدیث کی تعلیمات رچ بس جائیں گی‘ جس سے مؤمنین صادقین کی ایک ایسی فوج تیار ہو گی جو اندرونِ پاکستان ہی نہیں بیرونِ پاکستان بھی اسلام دشمن قوتوں کے دانت کھٹے کر دے گی اور عالمی سطح پر باطل نظام کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائے گی اور دوسرے اسلامی ممالک کی بھی اس حوالہ سے ممد ومعاون ثابت ہو گی۔ لیکن وائے قسمت انگریز کی باقیاتِ سیئات اسلام دشمنی کے حوالے سے خود انگریزوں سے بھی بدتر ثابت ہوئیں‘ یعنی حکمرانوں کا صرف رنگ بدلا، سفید کی بجائے کالے حکمران آ گئے اور انگریز کے نافذ کردہ نظام تعلیم کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ صرف جنرل ضیاء الحق کے دور میں ایک جزوی سا کام ہوا اور سکولوں اور کالجوں کے تعلیمی نصاب میں قرآن کی بعض سورتیں جن میں جہاد وقتال کا ذکر بھی تھا‘ شامل کر دی گئیں اور نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے حوالے سے اخلاقیات کے عنوان سے بعض احادیث کو بھی طلبہ کے نصاب کا حصہ بنا دیا گیا۔ اگرچہ یہ ضرورت سے کم ہی نہیں انتہائی کم تھا، لیکن بہر حال کچھ نہ ہونے سے بہتر تھا۔ پھر بدقسمتی سے اس ملک پر ایک نام نہاد روشن خیال ڈکٹیٹر جو اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا کو اپنا آئیڈیل بتاتا تھا‘ آئینی حکومت کے خلاف بغاوت کر کے اقتدار پر قابض ہو گیا‘ جس نے حقوقِ نسواں جیسے رسوائے زمانہ قوانین بنائے۔

بہر حال پرویز مشرف ایک نام نہاد روشن خیال اور مہا سیکولر اور متکبر انسان تھا۔ ہمیں اس سے خیر کی توقع بھی نہ تھی۔ لیکن جو بات ہم پر بجلی بن کر گری ہے‘ جس کے ثبوت حاضر وموجود ہونے کے باوجود ہمیں یقین نہیں آ رہا اور اپنی سماعت و بصارت پر شک گزر رہا ہے‘ وہ یہ خبر ہے کہ میاں محمد شریف مرحوم ومغفور جو اسلام کے شیدائی تھے اور جب تک زندہ رہے عاشق رسولؐ ہونے کے دعوے دار رہے‘ ان کے لختِ جگر مسلم لیگ (ن) کے سربراہ میاں نواز شریف کے برادر خورد پنجاب کے خادم اعلیٰ شہباز شریف نے پنجاب میں نویں اور دسویں جماعت کے نصاب سے سورۃ الانفال‘ الاحزاب اور الممتحنہ جیسی سورتیں‘ جو اکیس رکوع پر مشتمل تھیں‘ نکال کر ان کی جگہ قرآن پاک کی صرف دس عدد آیات شامل کی ہیں۔ پھر یہ کہ سلیبس میں سے پہلے بیس احادیث پر مشتمل ایک خوبصورت اور دل نشین گلدستہ موجود تھا‘ اسے نصاب سے خارج کر دیا گیا اور اس کی جگہ حدیث کا تعارف اور اقسام حدیث وغیرہ ایسا مواد شامل کر دیا گیا جو نونہالوں کے اذہان کو حدیث شریف کی دین میں اہمیت کے حوالے سے کنفیوز کرنے کی سعی معلوم ہوتی ہے۔

ہم اب بھی سمجھتے ہیں کہ شاید بے لگام اور آزاد منش بیوروکریسی نے اپنے لبرل ازم کے اظہار کے لیے یا اُس مرعوبیت کے تحت جو مغرب کے حوالہ سے اُن پر ہر وقت طاری رہتی ہے‘ وزیر اعلیٰ سے بالا بالا یہ کارستانی کی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی مشیر بے تدبیر نے سیکولر عناصر یا اپنے بیرونی آقاؤں کے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے دلائل کے انبار لگائے ہوں گے کہ عالمی بادشاہ گروں کے سامنے آپ کے سویٹ اور سوفٹ امیج کے لیے یہ سب کچھ کرنا ناگزیر ہے‘ لیکن اگر یہ خالصتاً آپ کا اپنا فیصلہ ہے کہ قرآن پاک کی ان سورتوں کو تعلیمی نصاب سے کھرچ دو اور احادیث کے خوبصورت گلدستہ کو نوچ ڈالو تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ عوامی جلسوں میں اسلام کے نعرے لگانا‘ امریکہ کو للکارنا اور کشکول توڑنے کے اعلان کرنا‘ اور عمل کے میدان میں امریکی حکم پر جہاد وقتال کے حوالے سے قرآنی سورتوں کو تعلیمی نصاب سے نکال دینا فکر وعمل کا کھلا تضاد ہے۔ آپ ہی بتائیں اسے کیا کہا جائے؟ ہم اسے محتاط ترین الفاظ میں بھی سیاسی شعبدہ بازی کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے۔ لیکن یاد رکھیے کہ اس قوم کا مذہب کے ساتھ بڑا جذباتی لگاؤ ہے۔ قرآن و حدیث سے یہ ناروا سلوک آپ کو سیاسی سطح پر بھی مہنگا پڑے گا۔

آخر میں ہم خادم اعلیٰ پنجاب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ انسان خطا کا پتلا ہے اور شیطان اس کا ازلی دشمن ہے‘ بڑے بڑوں کو بہکا دیتا ہے‘ لیکن سمجھ دار آدمی وہ ہے جو اپنی غلطی کو تسلیم کرے۔ اگرچہ کسی بڑے عہدہ پر فائز کسی انسان کے لیے اپنے اٹھے ہوئے قدم کو واپس لینا بہت مشکل ہوتا ہے‘ لیکن یہی انسان کے لیے امتحان کے لمحات ہوتے ہیں کہ وہ عظمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے رجوع کرتا ہے یا اپنی انا اور تکبر کی وجہ سے ہٹ دھرمی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ ہم میاں شریف کے بیٹے سے یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ فوری طور پر رجوع کرتے ہوئے متعلقہ حکام کو حکم دیں گے کہ اس تبدیلی کو ختم کر دیں اور قرآن پاک کی وہ سورتیں اور احادیث کا وہ مجموعہ جو پہلے سے نصاب میں شامل تھا، اسے بحال کر دیں۔ ہم آپ کی عظمت کو سلام کریں گے۔ اور اگر خدانخواستہ سیاست کی ڈالی ہتھکڑیوں اور بیڑیوں سے مجبور ہو کر آپ ان احکامات کو واپس نہیں لیتے تو گویا آپ اپنی دنیوی اور اخروی تباہی پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس حوالہ سے ضد اور ہٹ دھرمی شریف فیملی کی سیاست کو کفنانے اور دفنانے کے مترادف ہو گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں انفرادی اور اجتماعی توبہ کرنے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کی توفیق بخشے۔ آمین یاربّ العالمین!

بلوچستان: اصل مسئلہ اور حل

امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے 9 مارچ 2012ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[گزشتہ سے پیوستہ]

اللہ نے ہمیں معجزانہ طور پر یہ ملک عطا کیا، اور ہر ہر قدم پر ہماری نصرت فرمائی، اس لیے، تاکہ وہ دیکھے ہم نعمت پا کر اُس کا شکر ادا کرتے ہیں یا کفرانِ نعمت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اللہ کے انعام و احسان کی قدر کرتے، اللہ کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے، اس کی رضا اور خوشنودی کے نصب العین کے لیے محنت کرتے، مگر ہم نے ایسا نہ کیا۔ انگریز کی غلامی سے آزاد ہو کر ہم نے اسلامی نظریے کے ساتھ جس کے لیے یہ ملک حاصل کیا تھا وفاداری کی بجائے غداری کی اور دنیا اور دولت پرستی کو اپنا شعار بنا لیا۔ اب عملاً ہمارا ایک ہی نصب العین ہے، زیادہ سے زیادہ دنیا کماؤ، ملک کو لوٹو کھسوٹو اور اپنے خرچے بھرو۔ پاکستان میں اہل سیاست ہی کرپشن میں ملوث نہیں بلکہ یہ بیماری ہر خاص و عام کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔ ہمارے ہاں اعلیٰ سرکاری ملازمت کا ایک ہی مطلب لیا جاتا ہے کہ اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے رشتہ داروں کو نوازنے کے موقع حاصل کیا جائے۔ ملک و قوم کا مفاد بھی کوئی شے ہے، ہماری لغت اس لفظ سے یکسر خالی ہے۔ ساری قوم ذاتی مفاد کے چکروں میں پڑی ہوئی ہے۔ ذاتی مفاد کے لیے ملک کے ٹکڑے کر کے کھا جائیں، کوئی حرج نہیں۔

شکر کا دوسرا اہم ترین تقاضا یہ تھا کہ اسلام سے متصادم وہ باطل نظام جو انگریز نے ہم پر مسلط کر رکھا تھا، آزادی کے بعد اُسے جڑ سے اکھاڑ پھینکتے اور دینِ حق کو قائم کرتے۔ ہم سب مسلمان ہیں۔ یہ ملک مسلمانوں کی جدوجہد سے آزاد ہوا ہے۔ اس میں قرآن و سنت کا نفاذ ہونا چاہیے تھا۔ قائداعظم نے یہی بات کہی تھی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ جو ملک بنانے چلے ہیں، اس کا دستور کیا ہوگا، تو اُن کا جواب تھا کہ ہمارا دستور 14 سو سال پہلے ہمیں دے دیا گیا یعنی قرآن پاک۔ مگر افسوس کہ اِس دستور کو ہم اب تک نافذ نہ کر سکے، بلکہ انگریز جو دستور چھوڑ کر گیا تھا، اسے مقدس گائے کی طرح سنبھال رکھا ہے۔ ہم نے اس کی پوری حفاظت کی، اور غلبۂ اسلام کے ہر راستے میں رکاوٹ ڈالی اور اس حوالہ سے ہر کوشش کو ناکام بنانے کی ناپاک سعی کی ہے۔

> ہمیں قومی سطح پر ''سب سے پہلے پاکستان'' کی بجائے ''سب سے پہلے اسلام'' کو اپنانا ہوگا اور انفرادی سطح پر دنیا کی بجائے آخرت کو اپنا مطمحِ نظر بنانا ہوگا۔ ترجیحات کی اسی تبدیلی سے ہمارے سارے مسائل حل ہوں گے

ہم نے شکر کی بجائے کفرانِ نعمت کی جو روش اختیار کی، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تکلیف دہ صورتحال سے دوچار اور مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ ملک کی بقاء و استحکام کو لاحق خطرات، زلزلے، باہمی کشت و خون، فقر و افلاس اور سیلابی ریلے قدرت کی طرف سے تازیانہ ہیں۔ ہمارے مسائل اور زبوں حالی پر وہ آیت پورے طور پر منطبق ہوتی ہے جو سورۃ النحل میں آئی ہے۔ اس آیت میں ہمیں آئینہ دکھایا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝١١٢﴾

''اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ (ہر طرح) امن چین سے بستی تھی۔ ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا۔ مگر اُن لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے اُن کے اعمال کے سبب اُن کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا''

اللہ نے ہمیں پاکستان عطا کیا۔ اُس نے ہمیں وہ ایٹمی صلاحیت عطا کی کہ کوئی بیرونی دشمن ہمارے ملک کو میلی نظر سے دیکھ نہیں سکتا۔ اندرونی طور پر بھی اطمینان ہے کہ ایک ہی دین، قرآن اور ایک ہی مذہب کے ماننے والے لوگوں کی اکثریت ہے۔ اللہ نے پاکستان کو ہر قسم کے وسائل سے مالا مال کیا۔ پاکستان میں ہر قسم کے میوے، پھل، اناج، غلہ، اور سبزیاں مختلف جغرافیائی حالات بھی آپ کو میسر ہیں۔ کوئی چیز یہاں سے چلی آرہی ہے، کوئی وہاں سے آرہی ہے۔ کہیں سے خشک

میوہ جات آ رہے ہیں، کہیں سے پھل آ رہے ہیں، کہیں سے گندم اور چاول آ رہے ہیں۔ لیکن اللہ کے اتنے بڑے فضل کے بعد ہم اہل پاکستان نے اللہ کے ان انعامات کی ناشکری کی۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ قدرشناسی کا تقاضا دین کو قائم کرنا اور ایک اسلامی معاشرہ تشکیل دینا تھا۔ جیسا کہ ہم تحریک پاکستان کے زمانے میں کہا کرتے تھے کہ ہماری اقدار، روایات اور معاشرت ہندوؤں سے الگ ہے۔ لیکن وہ سب کچھ آج کہاں ہے؟ وہ اسلامی سماجی اقدار کہاں ہیں؟ آج ہم تہذیبی حوالے سے جس حال میں ہیں، اُس سے تو پاکستانی اور ہندوستانی معاشرے میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔ بے حیائی اور فحاشی و عریانی میں ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ کیا یہ ہے اسلامی معاشرہ؟ کیا اِس طرز زندگی کے لیے ہم نے آگ اور خون کے دریا عبور کیے تھے؟ اللہ کے انعامات اور احسانات کی ناقدری کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہ کہ اُس نے ہمیں بھوک کا مزا چکھایا، اور خوف کا لباس اوڑھا دیا۔ پھر نفاذ اسلام کے وعدے سے پہلوتہی کی سزا یہ ملی کہ وہ قوم جو دین کی بنیاد پر متحد تھی، لسانیت اور علاقائیت کی بنیاد پر منتشر ہوگئی۔ پاکستان بنتے وقت ہماری قومیت صرف اسلام تھی، جیسا کہ حکیم الامت علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے

مگر اسلام سے پہلوتہی کی تو آج ہم پانچ قومیتوں میں بٹ گئے۔

قیام پاکستان کے وقت ٹائمز آف لندن کے ایڈیٹر نے لکھا تھا کہ تقسیم ہند کے نتیجے میں جو دو ملک وجود میں آئے ہیں، اُن میں سے ایک کا مستقبل بہت روشن نظر آتا ہے اور دوسرے کا بہت تاریک۔ روشن مستقبل پاکستان کا ہے، کیونکہ یہاں کے لوگ ایک نظریے سے وابستہ ہیں۔ نظریے میں بڑی قوت ہوتی ہے۔ ایک ہی نظریے کے حامل لوگ بہت تیزی سے ترقی کرتے ہیں۔ دوسری جانب ہندوستان کا مستقبل تاریک ہے،

> نفاذ اسلام کے وعدے سے پہلوتہی کی سزا یہ ملی کہ وہ قوم جو دین کی بنیاد پر متحد تھی،
> لسانیت اور علاقائیت کی بنیاد پر منتشر ہوگئی

کیونکہ وہاں کئی مذاہب، زبانیں اور قومیتیں ہیں، لہٰذا وہ مسائلستان ہوگا۔ لیکن ہم نے اللہ سے بدعہدی کی اور اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے ملک میں اسلام کو بھول گئے۔ جس کے پاس چار پیسے آ گئے، اُس کی خواتین نے برقع اتار پھینکا۔ بجائے اس کے کہ ہم دین وشریعت کو اختیار کرتے اور اسلام کو ملک میں نافذ کرتے، ہم نے نفس پرستی، دنیا پرستی کو اختیار کر لیا اور رحمان کی بجائے شیطان کے راستے پر چل پڑے۔ بھوک اور خوف کے عذاب ہماری اس مجرمانہ غفلت کی سزا ہیں۔ آج ہمیں ہر طرح کے اندیشے لاحق ہیں۔ دہشت گردی کا خوف ہم پر طاری ہے۔ بیرونی جارحیت کے اندیشہ کا ہمیں سامنا ہے۔ وفاق کی اکائیوں کے بکھرنے کے اندیشے میں ہم مبتلا ہیں۔ یہ سب کچھ ہماری سیاہ کاریوں کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا قومی مرض کی تشخیص میں اس بنیادی اور اساسی پہلو پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

یہ مطالبہ بجا ہے کہ پرویز مشرف لال مسجد کی سینکڑوں معصوم بچیوں اور ہزاروں پاکستانیوں سمیت اکبر بگٹی کا قاتل ہے۔ اُسے پاکستان لا کر اُس پر مقدمہ چلایا جائے اور کیفر کردار تک پہنچایا جائے، اس سے بلوچستان کے لوگوں کے غم و غصہ اور اشتعال میں کمی آئے گی۔ یہ دانشمندی نہیں کہ پورے صوبے کے لوگوں کے مقابلے میں ایک غلط کار شخص کو تحفظ دیا جائے۔ اسی طرح بلوچ عوام کی محرومیوں کا بھی ازالہ کیا جانا چاہیے۔ لاپتہ افراد کا مسئلہ بھی حل کیا جانا ضروری ہے، مگر یہ ساری چیزیں سطحی ہیں۔ اصل قابل غور بات یہ ہے کہ ہم اس حال تک کیوں پہنچے ہیں۔ ظاہر ہے، ہمیں جوڑنے والی شے اسلام تھی۔ ہماری قومیت اسلام تھی۔ جب ہم نے اسلام سے بے وفائی کی تو پھر یہ ہونا ہی تھا۔ آج عملاً ہم مسلمان قوم نہیں رہے، بلکہ سندھی، پنجابی، پختون،

> ہمیں جوڑنے والی شے اسلام تھی۔ ہماری قومیت اسلام تھی۔ ہم نے اسلام سے بے وفائی کی
> تو سندھی، پنجابی، پختون، مہاجر، بلوچی اور سرائیکی قومیتوں میں بٹ گئے

مہاجر، بلوچی اور سرائیکی قومیتوں میں بٹ گئے ہیں۔ تو ہم پر بنی اسرائیل کے ایک نیک شخص بلعم بن باعورہ کی مثال صادق آتی ہے جسے اللہ نے بڑا مقام دیا تھا۔ لیکن جب اُس نے اللہ اور اُس کے دین کو چھوڑ کر دنیا کو اپنا قبلہ وکعبہ بنایا، شیطان اُس کے پیچھے لگ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بڑے مقام سے نوازا تھا، مگر اسلام سے روگردانی کی تو دنیا بھر کی شیطانی طاقتیں ہمارے درپے ہوگئیں۔ اِن طاقتوں کو ہم روز اول سے کانٹے کی طرح چبھ رہے تھے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ پاکستان اسلام کا قلعہ نہ بن جائے۔ چنانچہ وہ پاکستان کے خلاف سازشوں کے جال بن رہی تھیں، مگر انہیں یہاں دراندازی کا موقع نہیں مل رہا تھا، لیکن جوں جوں ہماری اللہ کے دین سے بے وفائی بڑھتی گئی توں توں اُن کے راستے بھی کھلتے چلے گئے۔ آج بلوچستان سمیت ملک میں ریمنڈ ڈیوس جیسے لوگ کیوں پھر رہے ہیں، ہم پر ڈرون حملے کیوں ہو رہے ہیں، حالانکہ ہماری بغل میں ایٹم بم رکھا ہوا ہے، اس لیے کہ ہم دین سے روگردانی کر کے اللہ کی نصرت وحمایت سے محروم ہو گئے ہیں۔ ہم پر خوف اور بھوک کے عذابات بھی مسلط ہیں اور ہمیں ملک کی بقا و استحکام کا چیلنج بھی درپیش ہے۔ یاد رکھیے، یہ ملک کسی بھی صورت مستحکم نہیں ہو سکتا، خواہ ہم اس کے لیے لاکھ تدبیریں کر لیں۔ اس کے استحکام اور بقا کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ یہاں پر اسلام کی جڑوں کو مضبوط کیا جائے، جس نظریے پر یہ ملک وجود میں آیا تھا، فکر و عمل دونوں اعتبار سے اُسے تقویت دی جائے۔ اِسی سے لوگوں کو عدل و انصاف میسر آئے گا اور اِسی سے علاقائی اور لسانی قومیتوں کے بت بھی ٹوٹیں گے اور ملک مضبوط اور مستحکم ہوگا۔

بدقسمتی سے ہم نے پہلے دن سے عملاً ''سب سے پہلے پاکستان'' کے اصول کو قبول کر رکھا ہے۔ پرویز مشرف نے آ کر اِسے باقاعدہ نعرے کی شکل بھی دے دی۔ حالانکہ اس اصول کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہم کسی اسلامی بنیاد کو تسلیم نہیں کرتے، ہمارے لیے ملک پہلے ہے اور اسلام بعد میں۔ یاد رکھئے، جب تک

ہم اس نقطۂ نظر کی اصلاح نہیں کریں گے، ہمارے معاملات درست نہیں ہوں گے۔ ہمیں قومی سطح پر ’’سب سے پہلے پاکستان‘‘ کی بجائے ’’سب سے پہلے اسلام‘‘ کو اپنانا ہوگا اور انفرادی سطح پر دنیا کی بجائے آخرت کو اپنا مطمحِ نظر بنانا ہوگا۔ ترجیحات کی اسی تبدیلی سے ہمارے سارے مسائل حل ہوں گے۔ اِسی سے بددیانتی، اقربا پروری، جھوٹ اور دھوکہ دہی کا خاتمہ ہوگا اور ایک دوسرے کے حقوق کو غصب کرنے کا سلسلہ رُکے گا۔ کرپشن جو قومی روگ بنا چکا ہے، اور جس کی شدت کو مہران بنک سکینڈل نے اور بھی آشکارا کیا ہے، اِس کا چور دروازہ بھی اِسی سے بند ہوگا۔ بہرکیف ہمیں بحیثیت قوم اپنے فکر و عمل میں بنیادی تبدیلی لانے اور اپنی ترجیحات کے ازسرِنو تعین کی ضرورت ہے۔ انفرادی سطح پر ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ دنیا کی بجائے آخرت کو ہدف بنائے، دنیا کی کامیابی کی بجائے آخرت کی کامیابی کو سامنے رکھے، اسلام کو اختیار کرے، اسلامی ضابطۂ حیات اور ثقافت کو اپنائے اور ہندوانہ اور مغربی ثقافت کو ترک کرے۔ اس کے لیے دنیا کی ہر چیز اور ہر رشتے سے مقدم اُس کا دین ہو۔ اور پھر اجتماعی طور پر یہاں کے مسلمان ریاستی سطح پر اسلام کے غلبہ کے لیے عملی جدوجہد میں شریک ہوں، اور اِس راہ میں اپنے جسم و جان کی صلاحیتیں لگائیں۔

یہ بات اللہ ہی کے علم میں ہے کہ وہ ہمیں مزید کتنی مہلت دیتا ہے، لیکن ایسے مراحل بار بار پیش آ رہے ہیں، یوں محسوس ہوتا ہے کہ (خاکم بدہن) پاکستان اب ٹوٹ جائے گا۔ اس وقت بلوچستان کے حوالے سے امریکہ کی نیت کا فتور بالکل واضح طور پر سامنے آ چکا ہے۔ وہ افغانستان میں شکست کھا کر بلوچستان میں اپنے اڈے قائم کرنا چاہتا ہے۔ اِسی لیے بلوچستان میں شورش کو ہوا دے رہا ہے۔ ہمیں امریکہ جیسی طاقت سے مقابلے کے لیے کائنات کی سب سے بڑی قوت اللہ کی مدد اور نصرت درکار ہے۔ اللہ کی یہ مدد ہمیں تب ہی حاصل ہوگی جب ہم اُس کے دین کا جھنڈا اُٹھائیں گے اور اُس کے غلبہ کے لیے کوشاں ہوں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں غلبۂ دینِ حق کی راہ میں اپنا تن من دھن لگانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

☆☆☆

قرآن حکیم کی عظمت، تعارف اور حقوق و مطالبات
جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

قرآن حکیم اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمدؒ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ تقریباً 500 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

خود پڑھیے۔ دوسروں کو تحفہ میں دیجیے!

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 400 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 250 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور
36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-042-35869501
maktaba@tanzeem.org

تنظیمی اطلاعات

مقامی تنظیم فیصل آباد شرقی میں ملک احسان الٰہی کا بطور امیر تقرر

مقامی تنظیم فیصل آباد شرقی میں تقرر امیر کے لیے امیر حلقہ فیصل آباد کی جانب سے موصولہ اُن کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 8 مارچ 2012ء میں مشورہ کے بعد ملک احسان الٰہی کو مقامی تنظیم فیصل آباد شرقی کا امیر مقرر فرمایا۔

مقامی تنظیم لطیف آباد میں راشد حسین کا بطور امیر تقرر

مقامی تنظیم لطیف آباد میں تقرر امیر کے لیے امیر حلقہ حیدر آباد کی جانب سے موصولہ اُن کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 8 مارچ 2012ء میں مشورہ کے بعد جناب راشد حسین کو مقامی تنظیم لطیف آباد کا امیر مقرر فرمایا۔

مقامی تنظیم واہ کینٹ میں طارق نعیم کا بطور امیر تقرر

مقامی تنظیم واہ کینٹ میں تقرر امیر کے لیے ناظم حلقہ پنجاب شمالی کی جانب سے موصولہ اُن کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 8 مارچ 2012ء میں مشورہ کے بعد جناب طارق نعیم کو مقامی تنظیم واہ کینٹ کا امیر مقرر فرمایا۔

قارئین خصوصاً رفقائے تنظیم اسلامی کے لئے

انٹرنیٹ، فیس بک اور یوٹیوب کے حوالے سے رہنما اصول

مرکزِ تنظیم اسلامی کی جانب سے مذکورہ بالا عنوان کے تحت سرکلر نمبر 12/12 مورخہ 11 رفروری 2012ء کو جاری کیا گیا ہے۔ اس کو مزید بہتر اور واضح کرنے کی غرض سے کچھ حک و اضافہ کے ساتھ ندائے خلافت میں شائع کیا جا رہا ہے۔

انٹرنیٹ کی حیثیت اصلاً تو ایک آلے کی سی ہے اور اس کے خیر یا شر ہونے کا انحصار اس کے استعمال پر ہے، لیکن چونکہ موجودہ دور میں برائی کے غلبے کے زیر اثر شر کے لئے بکثرت استعمال ہونے اور شر کے مواقع کی بکثرت فراہمی کی وجہ سے یہ قریب قریب آلہ شر بن چکا ہے۔ ان آلات کو اسلام دشمن قوتیں اپنے مذموم مقاصد کیلئے نہایت مؤثر انداز میں استعمال کرتی ہیں، تاہم انہی کو آج اہل حق، اسلامی تعلیمات اور پیغام قرآنی کو ایک بہت بڑے حلقے تک پہنچانے کے لئے مؤثر آلہ کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔

اباحیت، فحاشی اور بے پردگی کے مناظر ان میں عام ہیں حتیٰ کہ اصول فقہ یا اسلامی لائبریری یا اسلامی بکس کے ناموں سے بھی فحش ویب سائیٹس موجود ہیں۔ بعض اوقات براؤزنگ (Browsing) کے نتیجے میں ایسے مناظر سامنے آجاتے ہیں کہ انسان فطری تجسس کے زیر اثر ان کو دیکھنے لگتا ہے اور پھر ان کا عادی ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات "Click Here" کی تہہ میں فحاشی کی بلا چھپائی جاتی ہے اور بالکل صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ باقاعدہ منصوبہ بندی سے ہوتا ہے۔ کئی ایسے لوگوں کے واقعات سامنے آئے ہیں کہ جنہوں نے نیٹ کا استعمال اچھی نیت سے شروع کیا لیکن کسی اور ہی وادی میں جا نکلے۔

چونکہ انٹرنیٹ کا استعمال خطرے اور انسان کو شیطانی راستے پر گامزن کرنے کا باعث ہے، لہٰذا اس کے استعمال سے حتی الوسع بچنا چاہیے۔ البتہ کوئی ایسی شرعی ضرورت درپیش ہو جو اس کے استعمال کے بغیر حاصل نہ ہو سکتی ہو یا خالصتہً دعوت دین کے نقطہ نظر سے اس کا استعمال مقصود ہو تو اس صورت میں انٹرنیٹ اور اس کے دوسرے ذرائع کو کام میں لایا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا لازمی ہے:-

1۔ اولاً اپنے نیک مقصد کا جائزہ لیا جائے کہ وہ واقعتاً دین اور شریعت کی رو سے ضروری ہے اور انٹرنیٹ کے علاوہ اس کا حصول ناممکن ہے۔

2۔ آپ جو کام سرانجام دینا چاہتے ہیں اس کا تعین کر کے نیٹ استعمال کیجئے اور وہ کام کر لینے کے بعد خود کو نیٹ سے منقطع کر لیجئے۔

3۔ وقت کا تعین کر کے بیٹھیں کہ ہمیں اتنی دیر کے لیے نیٹ استعمال کرنا ہے۔

4۔ شیطان سے بچاؤ کے لیے تعوذ اور دیگر مسنون اذکار بوقت استعمال ضرور پڑھتے رہیے۔ بہتر ہوگا کہ باوضو ہو کر نیٹ پر بیٹھیں، اس لئے کہ وضو بھی شیطانی اثرات کے خلاف ڈھال کا کام دیتا ہے۔

5۔ جس طرح نامحرم عورت یا کسی مرد کے ستر کی طرف دیکھنا حرام ہے، اسی طرح سکرین پر بھی یہ دیکھنا حرام ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے مردہ انسان کے ستر کو دیکھنا زندہ کے ستر دیکھنے کے برابر قرار دیا۔ سکرین پر کسی متحرک یا غیر متحرک جسم کو دیکھنا مردہ کو دیکھنے سے زیادہ جنسی ہیجان کا باعث بنتا ہے۔ لہٰذا غضِ بصر کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

6۔ انٹرنیٹ پر فرقہ واریت پر مبنی لٹریچر پھیلایا جا رہا ہے۔ خود بھی اس مواد سے بچیے، تاکہ انتشار ذہنی سے بچا جائے اور اس مواد کو فارورڈ (forward) کرنے سے اجتناب کیجئے۔

7۔ تنہائی میں انسان کے شیطان سے متاثر ہونے کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا تنہائی میں اور خصوصاً رات گئے نیٹ کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ کوشش کرنا چاہیے کہ کمپیوٹر کو لاؤنج (lounge) یا کامن روم (common room) وغیرہ میں اور سکرین (screen) کا رُخ سب کی نظر میں رکھ کر استعمال کیا جائے۔ چونکہ انٹرنیٹ میں خطرات بہت زیادہ ہیں، لہٰذا یہ صرف خوش طبعی یا تفریح کی غرض سے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

8۔ اندھا دھند براؤزنگ (browsing) سے اجتناب کرنا چاہیے اور صرف منتخب سائٹس (sites) کو احتیاط کے ساتھ وزٹ کرنا چاہیے۔

9۔ خواتین کے ساتھ میسیجنگ (messaging) یا چیٹنگ (chatting) چاہے کتنے ہی نیک جذبات سے کیوں نہ ہو، جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

10۔ فیس بک پر اپنی یا اپنے خاندان کی تصاویر اور دیگر سرگرمیوں کا چرچا نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے نمود و نمائش کے جذبات کو فروغ ملتا ہے۔

11۔ اپنے انٹرنیٹ کے استعمال کے وقت پر تنقیدی نظر رکھنی چاہیے، کہیں وقت ضائع نہ ہو رہا ہو۔

12۔ ویب براؤزرز (web browsers) کی سیٹنگ میں تصاویر کے خودکارانہ اظہار پر بندش کا آپشن موجود ہوتا ہے۔ یوٹیوب وغیرہ استعمال کرنے پر اس آپشن کو استعمال کرتے ہوئے کسی حد تک ان مناظر کو دیکھنے سے بچا جا سکتا ہے جو از خود ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس آپشن کی تفصیلات کسی بھی کمپیوٹر پروفیشنل سے بآسانی معلوم کی جا سکتی ہیں۔

13۔ فیس بک پر اپنے خاندان کی خواتین کے اکاؤنٹس نہ بنائے جائیں، کیونکہ اس سے نامحرم مردوں سے ربط و ضبط کا امکان بڑھتا ہے۔

14۔ اپنے فیس بک اکاؤنٹس سے بھی خواتین کے اکاؤنٹس ہٹا دیے جائیں، ورنہ دیگر افراد سے رابطہ کا امکان رہتا ہے۔

15۔ انٹرنیٹ کے نقصانات پر ایک مضمون ''انٹرنیٹ اور اس کے مضر اثرات'' ماہنامہ میثاق ستمبر 2010ء میں شائع ہوا تھا، اس کا مطالعہ مفید رہے گا۔

(سید احمد حسن)
معتمد عمومی تنظیم اسلامی

"مہران بینک اسکینڈل"

ایک اہم موضوع پر خلافت فورم میں مذاکرہ

شرکاء: ڈاکٹر فرید احمد پراچہ، ایوب بیگ مرزا

میزبان: وسیم احمد

سوال: آج کل مہران بینک اسکینڈل میڈیا کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس اسکینڈل کے کلیدی کردار یونس حبیب ہیں۔ یہ یونس حبیب صاحب کون ہیں؟ کیا یہ کسی خفیہ ایجنسی یا سیاسی جماعت کی ہدایت پر ایسے انکشافات نہیں کر رہے؟

ایوب بیگ مرزا: آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ یونس حبیب 1963ء میں ایک کلرک کی حیثیت سے حبیب بینک میں بھرتی ہوئے تھے۔ ان کی تعلیم صرف انٹرمیڈیٹ ہے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی ڈگری یا سند نہیں ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ اتنی معمولی تعلیم کے ساتھ بینک کا ایک اعلیٰ عہدہ آپ نے کیسے حاصل کیا؟ تو انھوں نے کہا کہ کام کرنے کے لیے عقل کی ضرورت ہوتی ہے، سند کی نہیں۔ اگر ان کا معیار مدنظر رکھیں تو پھر ہمیں کالجز اور یونیورسٹیاں بند کر دینی چاہئیں اور عقل کے ٹیسٹ لے کر لوگوں کو اعلیٰ عہدے دے دینے چاہئیں۔ ان کی کامیابی کا Tact یہ ہے کہ انھوں نے بیوروکریسی کی خدمت میں اپنا وقت گزارا۔ بڑے لوگوں کی خدمت کرنا یہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اس طرح یہ ترقی کے زینے طے کرتے چلے گئے اور بالآخر یہ حبیب بینک کے اعلیٰ عہدے پر پہنچ گئے۔ 1990ء میں جب مختلف جماعتوں، فوجیوں، اداروں اور کاروباری لوگوں کو عوام کے خون پسینے کی کمائی ہوئی دولت تقسیم کی گئی، اس وقت یہ صاحب حبیب بینک میں تھے۔ 1990ء میں انھوں نے اپنا مہران بینک بنایا۔ جس پیپلز پارٹی کا راستہ روکنے کے لیے انھوں نے 1990ء میں دائیں بازو کے سیاستدانوں میں مختلف رقوم تقسیم کی تھیں اسی پیپلز پارٹی کے لیے انھوں نے 1993ء میں مہران بینک سے رقمیں دیں۔ انھوں نے کبھی IJI کی مدد کی اور کبھی اس کی مخالف پیپلز پارٹی کی۔ میرے خیال میں حالیہ انکشافات میں جو اتنی دیر لگی ہے، اس میں ان کا کوئی قصور نہیں۔ اصغر خان نے مہران بنک سکینڈل کے حوالے سے یہ کیس دائر کیا تھا۔ اس کیس کی 1999ء میں صرف ایک پیشی ہوئی۔ ظاہر ہے، یونس حبیب کو ان انکشافات کا موقع نہ ملا۔ اگر کوئی سماعت ہوتی اور ان کو بیان دینے کا موقع دیا جاتا تب ہی یہ باتیں باہر آتیں۔ یہ باتیں پہلے انھوں نے سپریم کورٹ میں کہی ہیں، آج کل ٹی وی چینلز پر آ کر نئے نئے انکشافات کر رہے ہیں۔

سوال: یونس حبیب کے الزامات اصل میں ہیں کیا؟ یہ بتایئے کہ صدر غلام اسحاق خان اور جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ نے یہ کھیل کیوں کھیلا؟ جب یہ رقوم تقسیم کی گئیں، اس وقت تو مہران بینک بنا ہی نہیں تھا؟

فرید احمد پراچہ: کہا تو یہ جاتا ہے کہ IJI بنانے کے لیے یہ کھیل کھیلا گیا۔ جان لیجیے کہ IJI 1988ء میں بن چکی تھی۔ اس وقت تک تو مہران بینک بنا بھی نہیں تھا۔ بیگ صاحب نے یونس حبیب کی جو تاریخ بیان فرمائی ہے یہ باتیں اب کھل کر آنی چاہئیں، کیونکہ ہمارے ہاں ایسے انکشافات کے بعد "مٹی پاؤ" والا فلسفہ چل جاتا ہے۔ ایک آدمی اعتراف جرم کر رہا ہے کہ میں نے بینک کھولنے کے لیے جام صادق علی کو پچاس کروڑ روپے دیے تھے، اور

> اسلامی نظام حکومت میں خلیفہ اور گورنر سب کے سب خدا اور خلق کے سامنے جوابدہ ہیں، پھر احتساب کا وہ سسٹم ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قائم کیا تھا۔ آپؓ خود حج کے موقع پر عوام سے ملاقاتیں اور مختلف علاقوں میں جا کر کھلی کچہریاں لگایا کرتے تھے

مختلف محکموں سے اکاؤنٹ لینے کے لیے رشوتیں بھی دیں، تو کیا یہ اعترافات ہوا میں تحلیل ہو جائیں؟ بہرحال جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے اس میں صداقت کا کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ یہ باتیں اب منظر عام پر آنی چاہئیں کہ ماضی میں فوج کا کیا کردار رہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم نے لوگوں سے چندہ جمع کیا ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ لوگوں سے چندہ جمع کرنے والے آپ کون ہوتے ہیں؟ ان کا کہنا ہے کہ ایک ارب اڑتالیس کروڑ روپے کا چندہ جمع ہوا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ دو ارب دس کروڑ روپے تھے، جبکہ اس نام نہاد لسٹ کے مطابق تو 35 یا 38 کروڑ تقسیم ہوا ہے۔ آج کوئی مرزا اسلم بیگ اور اسد درانی سے یہ حساب کیوں نہیں مانگتا کہ بقایا رقم کہاں گئی۔ ایک اور اہم بات یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ ان لوگوں کے صوابدیدی اکاؤنٹ موجود ہیں جو اسلامی روح کے منافی ہیں۔ اسلامی ریاست میں بیت المال خدا اور خلق کی امانت ہے۔ یہ کون سا تصور ہے کہ خلیفہ کسی کو محض قصیدہ پڑھنے پر مال و زر سے نواز دے۔ اس کے خلاف اسلامی تاریخ میں بڑی بڑی شخصیات نے مزاحمتیں کیں اور حکمرانوں کے مقابلے کیے۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں حکمرانوں کے پاس صوابدیدی فنڈ موجود ہیں۔ صدر اور وزیراعظم یا فوج کا کوئی سربراہ اس میں سے اپنی ترجیحات کے مطابق رقوم تقسیم کرتا ہے۔ اس پر مزید ظلم یہ ہے کہ ان اکاؤنٹس کا کوئی آڈٹ نہیں ہوتا۔ ایسی صورتِ حال میں عوامی دولت میں اِس طرح کے گھپلے کیوں نہ ہوں گے۔

سوال: اگر یہ سیاسی کھیل ہے تو اس کا فائدہ کس سیاسی جماعت کو پہنچا ہے؟ اور مہران بینک بنانے میں کون کون لوگ شامل تھے؟

مرزا ایوب بیگ: اس وقت ہماری عدالتیں عوام کو ریلیف دینے کے لیے کچھ نہیں کر رہیں اور حکومت اور اپوزیشن بھی کچھ Deliver نہیں کر پا رہیں۔ عوام بالکل بے سہارا ہیں۔ ہر روز ایک نیا اسکینڈل آتا ہے اور عدالتیں اس میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ عوام کو ریلیف دینے کے لیے عدالتوں کے پاس وقت ہی نہیں بچتا۔ خصوصاً عدالت عظمیٰ میں سیاسی مقدمات ہی لیے جاتے ہیں۔ عوامی مسائل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ انتظامیہ کا معاملہ ہے۔ لہٰذا عوام انتظامیہ سے بھی دھکے کھا رہے ہیں اور عدالتوں میں بھی انھیں دھکے مل رہے ہیں۔ میرے خیال میں اس معاملے میں زیادہ قصوروار سیاستدان ہیں۔ جہاں تک اس کھیل کے سیاسی فائدے کا معاملہ ہے تو پہلے نواز شریف اور IJI نے فائدہ اُٹھایا، اب ان کے مخالفین فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

سوال: مہران بینک بنانے میں کون کون سے لوگ ملوث تھے؟

مرزا ایوب بیگ: مہران بینک بنانے میں وہی سیاستدان ملوث تھے جنھوں نے یونس حبیب سے فائدے اُٹھائے۔ اس بینک بنانے میں سب سے زیادہ اہم کردار جام صادق علی نے ادا کیا جو اس وقت سندھ کے وزیراعلیٰ

تھے۔ اس حوالے سے میں ایک دلچسپ واقعہ بھی سناتا ہوں۔ ایک صحافی کہتے ہیں کہ ہمیں جام صادق علی نے سندھ کے دورے کی دعوت دی۔ جب ہم وہاں گئے تو انھوں نے ہمارا نہایت شاندار استقبال کیا۔ وزیراعلیٰ کے ہاں صحافیوں کے وفد کے علاوہ ایک اور شخص بھی تھا جو کونے میں دبک کر بیٹھا ہوا تھا۔ جام صادق علی کچھ دیر ہمارے ساتھ باتیں کرتے رہے، پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ بھئی تمہارے کام کا کیا بنا ہے؟ اس نے کہا کہ سٹیٹ بینک مجھے لائسنس ہی نہیں دے رہا۔ تب ہمیں پتا چلا کہ یہ یونس حبیب نامی کوئی شخص ہے جو کسی بینک کے لیے لائسنس لینا چاہ رہا ہے اور سٹیٹ بینک انکار کر رہا ہے۔ اِس پر جام صادق علی غصہ میں آ گئے اور انھوں نے کہا کہ سٹیٹ بینک کے گورنر سے ٹیلی فون ملاؤ۔ اس وقت رات کے گیارہ بجے تھے اور جب گورنر کے پرائیویٹ سیکرٹری سے رابطہ ہوا تو اس نے کہا کہ گورنر صاحب سو چکے ہیں۔ جام صادق علی نے کہا کہ اس کے Next سے بات کراؤ۔ جب ان سے بات ہوئی تو جام صادق علی نے کہا کہ ''اس بیوقوف گورنر سے کہہ دو کہ اگر یہ لائسنس جاری نہ ہوا تو ہم جانتے ہیں کہ تمہارا بیٹا جاتا کب ہے اور آتا کب ہے۔'' وہ صحافی کہتے ہیں کہ ہم یہ وزٹ ختم کر کے دوسرے دن سٹیٹ بینک میں ان صاحب کے پاس گئے جن سے گزشتہ رات یہ بات ہوئی تھی۔ وہ اس وقت کچھ لوگوں کے درمیان بیٹھے تھے۔ ہم نے ان سے ٹیلی فون والی بات کا ذرا سا اشارہ دیا تو ان صاحب نے گھبرا کر سب لوگوں کو باہر نکال دیا اور ہماری منتیں کرنے لگے کہ یہ بات کسی کو نہ بتانا، ورنہ جام صادق علی کے ہاتھوں میری شامت آ جائے گی۔ ہم واپس آ گئے۔ کچھ ماہ بعد پتا چلا کہ سٹیٹ بنک کے گورنر کا بیٹا اغوا ہو گیا ہے اور اس کا کچھ پتا نہیں چل رہا کہ وہ کہاں ہے۔ چند دنوں کے بعد ان کا بیٹا بازیاب ہو گیا اور مہران بینک کا لائسنس بھی مل گیا۔ اندازہ کیجیے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کام کیسے نکلوائے جاتے ہیں۔ کہا تو یہ بھی جاتا ہے کہ شریف برادران نے بھی اس بینک کو بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا اور اس کے عوض انھیں 20 کروڑ روپے دیے گئے تھے۔ ''دروغ برگردن راوی'' یہ الزامات کس حد تک صحیح یا ہیں غلط یہ تو عدالتی فیصلہ آنے پر ہی پتا چلے گا۔

سوال: فرید پراچہ صاحب! ISI سے رقوم حاصل کرنے والوں میں بدقسمتی سے جماعت اسلامی کا نام بھی آ رہا ہے۔ اس الزام کی حقیقت کیا ہے؟

فرید احمد پراچہ: یہ بات بڑی واضح ہے کہ جماعت اسلامی اس ملک کی ایک شفاف اور دیانتدار جماعت ہے جس پر کبھی کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا، جو الزام بھی لگے ہیں ان میں ذرہ برابر بھی صداقت نہیں۔ چونکہ جماعت اسلامی کرپشن کے خلاف زیادہ آواز بلند کرتی ہے اس لیے جہاں پر کرپشن کا کوئی معاملہ ہوتا ہے وہاں وہ جماعت اسلامی کو ملوث کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ جماعت اسلامی کے روایتی جارحانہ انداز میں کمی آ سکے۔ یہاں بھی رقم لینے والے جن افراد کے نام ہیں، ان میں جماعت اسلامی کے کسی فرد کا نام نہیں ہے۔ یہ ایک مضحکہ خیز سی بات ہے کہ اس فہرست میں انھوں نے جماعت اسلامی کے کسی فرد کی بجائے پارٹی کا نام لکھ دیا ہے۔ جس شخص کو یہ رقم دی گئی اس کا نام نہیں بتایا گیا۔ ہمیں بتایا جائے کہ کیا یہ روپے منصورہ کے گیٹ پر سیکیورٹی گارڈ کو دیے گئے تھے۔ 1994ء میں جب نصیر اللہ بابر صاحب نے پہلی مرتبہ یہ فہرست قومی اسمبلی میں پیش کی تو اس میں جماعت اسلامی کا نام نہیں تھا۔ یہ آن دی ریکارڈ بات ہے۔ اسد درانی کہتے ہیں کہ رحمان ملک نے مجھے ایک فہرست دی تھی، جس پر میں نے دستخط کر دیئے تھے۔ یہ وہ مرحلہ تھا جب جماعت کا نام اس فہرست میں شامل کیا گیا۔ 16 جون 1996ء کو جب اصغر خان کیس کی سماعت شروع ہوئی تو ہمارے وکیل جسٹس شیخ خضر حیات وہاں پر پیش ہوئے اور کہا کہ یہ ایک جھوٹا الزام ہے اور ہم خود اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ ہمیں بتایا جائے کہ انھوں نے کس کو یہ رقم دی ہے۔ اس وقت اسد درانی کوئی جواب نہ دے سکے۔ اب جب یہ معاملہ دوبارہ شروع ہوا ہے تو ہم دوبارہ عدالت میں پیش ہوئے ہیں۔ جسٹس افتخار احمد چودھری اور ایک دو اور جج نے ہم سے کہا کہ آپ کو تو ہم نے بلایا ہی نہیں ہے، آپ کیوں آ گئے ہیں؟ تو ہم نے عرض کیا کہ ہم از خود آئے ہیں تو عدالت میں اس بات کی تعریف کی گئی اور ہمارے کردار کو سراہا گیا کہ جماعت اسلامی ازخود پیش ہوئی ہے۔ ہمارے خلاف بیان بازی سیاسی پوائنٹ سکورنگ اور کرپشن کے خلاف جماعت اسلامی کی کوششوں کو ناکام بنانے کے حربے کے علاوہ کچھ نہیں۔

> جام صادق علی نے گورنر سٹیٹ بینک کا بیٹا اغوا کرا کر مہران بینک کا لائسنس یونس حبیب کو دلوایا۔ ہمارے حکمرانوں کے صوابدیدی اکاؤنٹس اسلامی روح کے منافی ہیں

> جس ریاست کے حکمران کی خود احتسابی کا یہ عالم ہو کہ اپنے ذاتی مہمان کی حیثیت سے آنے والے شخص کے لیے دیا بھی وہ جلاتے ہوں جس میں اپنا تیل ڈالا گیا ہو، وہاں کرپشن کیسے راہ پا سکتی ہے

سوال: ڈی جی آئی ایس آئی اسد درانی پیپلز پارٹی کا راستہ روکنے کے لیے رقوم تقسیم کر رہے اور IJI بنوا رہے تھے، لیکن پیپلز پارٹی نے برسر اقتدار آتے ہی انھیں جرمنی میں پاکستان کا سفیر بنا دیا۔ ایسا کیوں ہوا؟

مرزا ایوب بیگ: اسد درانی کا معاملہ یہ تھا کہ جب نواز شریف وزیراعظم بنے تو آصف نواز اس وقت کمانڈر انچیف تھے، جو بعد ازاں ہارٹ اٹیک سے وفات پا گئے تھے۔ نواز شریف جب بھی وزیراعظم بنے ہیں کسی بھی کمانڈر انچیف کے ساتھ ان کے تعلقات اچھے نہیں رہے۔ نواز شریف کی کمانڈر انچیف آصف نواز کے ساتھ کشمکش چل رہی تھی۔ اس وقت اسد درانی آئی ایس آئی کے چیف تھے۔ نواز شریف اسد درانی سے یہ توقع رکھتے تھے کہ چونکہ وہ میرے ماتحت ہیں، لہٰذا کور کمانڈرز کی میٹنگ میں جو کچھ ہو، اس کے مجھے اطلاع دیں۔ اسد درانی فوجی تھے، اس لیے ان کی زیادہ ہمدردیاں فوج کی ساتھ تھیں۔ نواز شریف یہ بات محسوس کر رہے تھے کہ اسد درانی اس حوالے سے مجھے وہ باتیں نہیں بتاتے جو انھیں بتانی چاہئیں۔ لہٰذا نواز شریف نے آصف نواز سے کہا کہ میں ڈی جی ISI کو بدلنا چاہتا ہوں۔ آصف نواز کو یہ بات اچھی نہ لگی اور انھوں نے اسد درانی کو بھی بتا دیا کہ نواز شریف آپ کو ہٹانا چاہتے ہیں۔ اس پر اسد درانی نے درخواست کی کہ اگر مجھے بدلا جائے تو کم از کم میرا rank بڑھا دیا جائے۔ چنانچہ انھیں میجر جنرل سے لیفٹیننٹ جنرل بنا کر جی ایچ کیو میں بھیج دیا گیا۔ اس بات کا اسد درانی کو دکھ تھا اور یہی بات انھیں پیپلز پارٹی کے قریب لے آئی۔ 1990ء کی سیاسی محاذ آرائی کے بارے میں آپ جانتے ہی ہیں کہ جب نواز شریف وزیراعظم ہوتے تھے تو بے نظیر آئی ایس آئی کے ساتھ مل کر ان کے خلاف سازشیں کرتی تھیں اور جب بے نظیر وزیراعظم بنتیں تو نواز شریف آئی ایس آئی یا اسٹیبلشمنٹ کی گود میں بیٹھ کر ان کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ اس موقع پر اسد

درانی نے بے نظیر سے نواز شریف کو کارنر کرنے کے لیے رابطہ کیا۔ لہٰذا جب بے نظیر حکومت میں آئیں تو انعام کے طور پر اسد درانی کو جرمنی کا سفیر بنا دیا گیا۔

سوال: پراچہ صاحب! انتخابات سر پر ہیں۔ ایسی صورت میں سیاست دانوں خصوصاً شریف برادران کی سیاست پر اس نوعیت کے الزامات کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

فرید احمد پراچہ: آپ نے ایک پہلو بیان کیا ہے۔ اسی سے ملتا جلتا ایک اور پہلو ہے۔ وہ یہ کہ اہم ترین معاملات (این آر او، میمو اسکینڈل اور ایبٹ آباد کمیشن) آج عدالت میں ہیں، اور این آر او کا تعلق صرف اس کیس کے ساتھ نہیں بلکہ اس کا تعلق عوام کی خواہشات کے ساتھ ہے۔ آج جو عوامی مسائل (مہنگائی، بجلی کی قیمتیں، لوڈ شیڈنگ وغیرہ) ہیں، ان سب کے پیچھے اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے ملک سے دولت لوٹ لوٹ کر باہر کے بینک بھرے گئے ہیں۔ آج اگر یہ رقم واپس آ جائے تو ہم صحیح ٹریک پر چل سکتے ہیں۔ ان سارے کیسوں سے نظر ہٹانے کے لیے ایک کیس یہاں شروع کر دیا گیا۔ میں اس کیس کی شدت کو کم نہیں کرنا چاہتا، لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہر ایک کیس کی گرہیں کھلنی چاہئیں اور انھیں عوام کے سامنے آنا چاہیے اور ''مٹی پاؤ'' والا فلسفہ ختم ہونا چاہیے۔ اس کیس کی ٹائمنگ اس طرح کی گئی کہ پچھلے کیسوں کی بحثیں پس منظر میں چلی گئیں اور یہ کیس سامنے آ گیا تو یہ سیاسی کھیل بن گیا۔ اس وقت یہ کیس دراصل فوج، آئی ایس آئی اور مخالف جماعتوں پر دباؤ بڑھانے کے لیے اوپن کیا گیا ہے۔ پھر یہ کہ ملک کے خلاف اس وقت جو عالمی سازشیں ہو رہی ہیں اور امریکہ کا دباؤ بڑھ رہا ہے جس کے نتیجے میں ہمارے حکمران نیٹو سپلائی کی دوبارہ بحالی کی باتیں کر رہے ہیں اور ڈرون حملوں کے خلاف یہ کچھ نہیں بول رہے (یعنی مخالفت اور مزاحمت کرنا تو کجا احتجاج نہیں کرتے) تو ان سارے معاملات سے بھی نظر ہٹانے کے لیے یہ معاملہ شروع کیا گیا ہے۔ ان ساری چیزوں کا تعلق عدلیہ سے ہے اور عدلیہ کو ایک ٹائم فریم کے اندر اس کو کلیئر کرنا چاہیے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اس کا اثر الیکشن پر ضرور پڑے گا۔ میرے خیال میں مسلم لیگ (ن) کو اگر کوئی جواب دینا پڑتا ہے تو انھیں دینا چاہیے۔ لیکن پیپلز پارٹی کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ عوام پیپلز پارٹی کے خلاف غم و غصہ سے بھرے بیٹھے ہیں کہ انھوں نے ہمارا جینا حرام کر دیا ہے۔

سوال: آئی ایس آئی کا اصل کام ملک کے اندر اور باہر ملک دشمن سرگرمیوں پر نظر رکھنا ہے لیکن ہماری آئی ایس آئی نے حکومتیں اکھاڑنے پچھاڑنے کا کام شروع کر رکھا ہے۔ ان کا یہ سیاسی شعبہ کس نے بنایا اور اس کے کیا مقاصد تھے؟

مرزا ایوب بیگ: آپ کی بات بالکل درست ہے کہ آئی ایس آئی کا اصل کام یہی ہے کہ دشمن ملکوں کے جاسوسوں اور ان کی پاکستان دشمنی پر مبنی پلاننگ پر نظر رکھے، لیکن میں یہاں ایک بات کلیئر کروں گا۔ ہمارے ہاں ایک رواج چلا آتا ہے کہ جب ہم کسی چیز کی حمایت یا مخالفت کرتے ہیں تو اعتدال اور عدل کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ ہمیں اِس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آئی ایس آئی پر اس وقت پر جو تنقید ہو رہی ہے وہ درست ہو رہی ہے۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ آئی ایس آئی نے مختلف مواقع پر دشمنوں سے ملک کو بچایا ہے۔ آئی ایس آئی نے دشمن ممالک کی سرگرمیوں کو جس طرح بے نقاب کیا ہے، وہ قابل قدر ہے۔ اِس ضمن میں اُس کا کردار نہایت شاندار اور قابل تحسین رہا ہے۔ اصل بگاڑ تب پیدا ہوا جب انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ حکومت گرانا اور بنانا بھی ہمارے ذمے ہے اور صرف ہم جانتے ہیں کہ قومی مفاد کیا ہے اور جو کچھ ہم کریں گے وہی قومی مفاد ہوگا۔

سوال: پاکستان میں پے در پے اسکینڈلز سامنے آ رہے ہیں۔ (اسٹیل ملز، میمو اسکینڈل، مہران بنک اسکینڈل) ایک اسلامی ریاست میں اس طرح کے اسکینڈلز کیا معنی رکھتے ہیں؟

فرید احمد پراچہ: اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اسلام میں اس بارے اتنے واضح احکامات اور ہدایات ملتی ہیں اور کڑے احتساب کا ایک پورا سسٹم ہے جس میں ایسے سکینڈلز کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں ہے۔ اسلامی نظام حکومت میں خلیفہ اور گورنر سب کے سب خدا اور خلق کے سامنے جوابدہ ہیں، پھر احتساب کا وہ سسٹم ہے جو حضرت عمرؓ نے قائم کیا تھا۔ جس میں پہلے انھوں نے چن کے وہ افراد رکھے جو دیانت دار، امانت دار، تقویٰ اور علم والے تھے۔ پھر اس کے بعد ان سے حلف بھی لیا۔ اور پھر اس حلف کی پاسداری کے لیے حضرت محمد بن سلمہؓ کو محتسب اعلیٰ بنایا۔ آپؓ خود حج کے موقع پر عوام سے ملاقاتیں اور مختلف علاقوں میں جا کر کھلی کچہریاں لگاتے تھے۔ چیک اینڈ بیلنس کا پورا نظام تھا۔ حضرت سعید بن عامرؓ گورنر تھے۔ وہ بڑے نیک انسان تھے۔ ان کے خلاف شکایت ہو گئی اور انھوں نے اس شکایت کا بہت تسلی بخش جواب دیا۔ اسی طرح ایک موقع پر عیاض بن غنم کو معطل کر کے مدینہ منورہ میں لایا گیا۔ اسلامی نظام میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں کہ ریاست میں مالی اسکینڈل بنتے رہیں، عوام کی امانتوں پر ڈاکے ڈالے جائیں۔ اسلامی نظام میں ایک عام آدمی بھی خلیفہ سے پوچھ سکتا ہے کہ آپ کا کرتا دو چادروں سے بنا ہے حالانکہ آپ کو بھی دوسرے لوگوں کی طرح بیت المال سے ایک چادر ملی تھی۔ دوسری چادر کہاں سے آئی ہے۔ جہاں پر اتنا Rapid قسم کا احتساب کا نظام ہو وہاں پر کوئی کرپشن اور بدعنوانی نہیں چل سکتی۔

مرزا ایوب بیگ: میں یہاں اس بات کا اضافہ کروں گا کہ جس ریاست کے حکمران کی خود احتسابی کا یہ عالم ہو کہ اپنے ذاتی مہمان کی حیثیت سے آنے والے شخص کے لیے دیا بھی وہ جلاتے ہوں جس میں اپنا تیل ڈالا گیا ہو، وہاں کرپشن کیسے راہ پا سکتی ہے۔ خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ رات کے وقت سرکاری کام کر رہے ہیں۔ سرکاری دیا جل رہا ہے۔ اتنے میں کوئی ملنے آتا ہے۔ اس کے آتے ہی سوال کرتے ہیں کہ تم کسی ریاستی معاملہ میں مجھ سے ملاقات کرنا چاہتے ہو یا عزیز داری کے حوالے سے کوئی ملاقات کرنی ہے۔ ملاقاتی کہتا ہے کہ میں ذاتی حوالے سے بات کرنا چاہتا ہوں تو آپ جلدی سے چراغ بجھا دیتے ہیں کہ یہ چراغ تو سرکاری کام کے لیے استعمال ہونا چاہیے نہ کہ ذاتی۔ ہمارے ہاں اِس چیز کی کمی ہے۔ ہر حاکم وقت یہ سمجھتا ہے کہ مجھے کوئی پوچھنے والا نہیں، جو چاہوں کروں، البتہ باقی سب کو ایماندار ہونا چاہیے۔ حالانکہ جب حاکم اعلیٰ دیانتدار نہیں ہوگا تو نیچے والوں کے دیانتدار ہونے کے امکانات انتہائی کم ہوں گے۔ ہم نے اپنی اصل بنیادوں پر کام ہی نہیں کیا۔ ہم نے گزشتہ 65 سالوں میں اپنے نظریے سے انحراف کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک کی عمارت ڈگمگا رہی ہے۔ جو عمارت اپنی بنیادوں پر قائم ہوگی وہی مضبوط و مستحکم ہوگی۔

☆☆☆

قارئین اس پروگرام کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر خلافت فورم کے عنوان سے اور Youtube.com/khilfatforum پر دیکھی جا سکتی ہے۔ (مرتب: وسیم احمد)

> جماعت اسلامی پر ISI سے رقم حاصل کرنے کے الزامات میں ذرہ بھر بھی صداقت نہیں
> یونس حبیب کے انکشافات سے پیپلز پارٹی کوئی سیاسی فائدہ حاصل نہیں کر سکتی

ہیوسٹن کا حکیم دی ڈریم

مسلمان کھلاڑی ایسا ہوتا ہے!

ضمیر اختر خان

اسلام میں حسن نیت ہر کام کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ نیک نیتی سے انسان اپنے لیے بھلائی کے دروازے کھول لیتا ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اپنی نیت کا جائزہ لیتے رہیں، تاکہ ان کا جائز کام اللہ کے ہاں قدر و منزلت اور ثواب کا مقام پا سکے۔ کھیل تماشے کو اسلام نے لھو ولعب سے تعبیر کیا ہے اور اہل ایمان کی ایک خصوصیت قرآن نے لھو ولعب سے اجتناب بتائی ہے۔ ﴿وَالَّذِیۡنَ ھُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ﴾ (المومنون:3) البتہ جسم و جان کی صلاحیتوں کو اس نیت سے کھیل کود کے ذریعے بہتر بنانا کہ دینی تقاضے احسن انداز میں پورے کیے جائیں، نیک کام ہے۔ ذیل میں ایک مسلمان کھلاڑی کے حالات زندگی پیش کیے جاتے ہیں جو مسلم نوجوان کھلاڑیوں کے لیے بالخصوص اور تمام مسلمانوں کے لیے بالعموم رہنمائی فراہم کریں گے، ان شاء اللہ۔ یہ مسلمان کھلاڑی امریکہ کے شہر ہیوسٹن کا رہنے والا ہے۔ اس کا اصل نام حکیم عبدل اوجوان ہے۔ لیکن امریکی اسے ''حکیم دی ڈریم'' کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔

حکیم 21 جنوری 1963ء کو نائیجیریا میں پیدا ہوا۔ امریکا میں این بی اے (نیشنل باسکٹ بال ایسوسی ایشن) میں 1984ء سے 2002ء تک کھیلنے کے بعد ریٹائر ہو گیا۔ اس نے ان اٹھارہ سالوں کے دوران بے شمار اعزازات حاصل کیے اور ریکارڈ بنائے۔ سات فٹ طویل القامت حکیم کی وجہ شہرت اس کے باسکٹ بال کے میدان کے اندر دکھائی جانے والی کارکردگی تو تھی ہی، لیکن اس کی وجۂ افتخار اس کا وہ رویہ اور طرز عمل تھا جو وہ دوران کھیل میدان کے اندر اور کھیل کے بعد عام زندگی میں روا رکھتا تھا۔ امریکی اس کے اسی شاندار کردار کی وجہ سے اسے ''حکیم دی ڈریم'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

حکیم دی ڈریم جب نیا نیا این بی اے میں آیا تو وہ کوئی زیادہ باعمل مسلمان نہیں تھا، مگر جوں جوں اسے شہرت، عزت اور دولت ملتی گئی وہ رب العزت کے سامنے سرنگوں ہوتا گیا۔ وہ کہتا ہے کہ ''میں ہر روز قرآن مجید پڑھتا ہوں۔ میں اسے گھر میں، مسجد میں، جہاز میں پڑھتا ہوں۔ کھیل شروع ہونے سے قبل پڑھتا ہوں اور کھیل کے بعد بھی۔ میں اس سے ہر بار نئے مفہوم اور مطلب سمجھتا ہوں۔ میں ہر صفحہ پلٹنے کے ساتھ ایمان کی مضبوطی حاصل کرتا ہوں۔'' وہ آج بھی بطور سینٹر، باسکٹ بال کا سب سے بہترین کھلاڑی تصور ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ رمضان میں پورے روزے رکھ کر گیم کھیلتا تھا اور اس کی کارکردگی میں کمی کے بجائے ہمیشہ بہتری دکھائی دیتی تھی۔ جس سال ''ہیوسٹن راکٹس'' نے اس کی سربراہی میں دوسری مرتبہ این بی اے چیمپئن شپ جیتی، اس سال (1995ء) ماہ رمضان یکم فروری کو شروع ہوا اور ساری چیمپئن شپ دورانِ رمضان کھیلی گئی۔ حکیم نے اس دوران سارے میچ روزے سے کھیلے۔

حکیم نے اپنے اٹھارہ سالہ پیشہ ورانہ کیریئر میں باسکٹ بال سے دس کروڑ ڈالر کمائے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ باسکٹ بال میں زیادہ پیسہ 2000ء کے بعد آیا جبکہ اس سے پہلے کوئی بڑے سے بڑا کھلاڑی بھی تیس پینتیس لاکھ ڈالر سالانہ سے زیادہ نہیں کماتا تھا۔ حکیم عبدل اوجوان کے زیر قیادت ہیوسٹن نے ہیوسٹن شہر کی تاریخ میں پہلی بار کسی بھی کھیل میں قومی چیمپئن شپ جیتی۔ ہیوسٹن راکٹس کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ہیوسٹن کے شہریوں نے ایک تاریخی پریڈ کا اہتمام کیا۔ یہ پریڈ جمعہ کے روز تھی۔ دوپہر کو جب پریڈ اپنے پورے عروج پر تھی کہ اسے روک دیا گیا۔ سب حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ تب ہیوسٹن کے میئر نے بتایا کہ حکیم نماز جمعہ کے لیے مسجد جا چکا ہے۔ اس کی واپسی تک پریڈ معطل رہے گی۔ پریڈ حکیم کی مسجد سے واپسی کے بعد دوبارہ وہیں سے شروع ہوئی، جہاں روکی گئی تھی۔

ہیوسٹن شہر کے وسط میں جسے امریکی زبان میں ''ڈاؤن ٹاؤن'' کہا جاتا ہے، شہر کی دو شاہراہوں کے سنگم پر ایک نہایت شاندار عمارت تھی۔ یہ عمارت 1928ء میں سٹرلنگ آئل اینڈ ریفائننگ کمپنی کے صدر اور ہیوسٹن بینک کے چیئرمین راس سٹرلنگ (گورنر ٹیکساس) نے اپنے بینک کے لیے بنائی تھی۔ 1994ء میں حکیم نے یہ عالی شان بلڈنگ خرید کر اسے مسجد اور اسلامی دعوت سنٹر میں بدلنے کا عزم کیا اور چالیس ہزار مربع فٹ پر مشتمل اسلامی دعوت سنٹر اور مسجد ابوبکر صدیق آٹھ سال میں مکمل کی۔ اس مسجد میں پہلی نماز 29 نومبر 2008ء کو رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو ادا کی گئی۔ حکیم نے ریٹائرمنٹ کے بعد جائیداد کی خرید و فروخت کے کاروبار میں مزید دس کروڑ ڈالر کمائے اور ایک امریکی ویب سائٹ MILITANT ISLAM "MONTTOR" کے مطابق حکیم اس سنٹر کے کل خرچ کا تین چوتھائی سے زائد خرچہ برداشت کرتا ہے اور یہ سنٹر حماس اور اسلامک افریقن ریلیف ایجنسی (IARA)

> دوپہر کو جب پریڈ اپنے پورے عروج پر تھی کہ اسے روک دیا گیا۔ سب حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ تب ہیوسٹن کے میئر نے بتایا کہ حکیم نماز جمعہ کے لیے مسجد جا چکا ہے۔ اس کی واپسی تک پریڈ معطل رہے گی

جیسی تنظیموں کو فنڈنگ کرتا ہے اور صرف سال 2000ء میں اس نے IARA کو اکسٹھ ہزار دو سو پچاس ڈالر عطیہ کیئے۔ یہ ویب سائٹ اسے ایسا بنیاد پرست مسلمان بتاتی ہے جس نے ہیوسٹن کے باہر اپنی خدمات کے اعتراف کے طور پر یادگاری مجسمہ نصب کرنے کی تجویز کو محض اس لیے رد کر دیا کہ یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اور یہ کئی سال تک محض اس لیے اپنے بچوں سمیت اردن منتقل ہو گیا، تاکہ اس کی فیملی عربی زبان سیکھ سکے۔ حکیم کی قائم کردہ اس عظیم الشان مسجد اور سنٹر میں آج بھی قرآن کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہے جو اس مثالی مسلمان کے کردار کی گواہی دے رہا ہے۔

کیا ہمارا نوجوان مسلمان اس طرح کا مثالی کردار اپنے اندر پیدا کرنے کا چیلنج قبول کرنے کی ہمت کر سکتا ہے؟ کیوں نہیں؟ ایسا ممکن ہے، شرط ارادے اور عزم کی ہے۔ دیگر تمام مشہور کھلاڑیوں کے برعکس حکیم نے نائیکی، اڈیڈاس اور ریبوک جوتوں کی تشہیری فلموں میں کام کرنے سے انکار کر دیا فلہ اس کے بقول ان مہنگے سپورٹس شوز کے اشتہار دیکھ کر غریب بچے یا احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں یا پھر دکانوں اور کھیل کے میدانوں سے یہ جوتے چوری کرتے ہیں۔ اس نے ڈیڑھ سو ڈالر مالیت کے جوتوں کے اشتہار کے بجائے محض پینتیس ڈالر مالیت کے جوتوں کے اشتہار میں کام کیا۔ یہ صرف ایک مثال ہے جو اسے باسکٹ بال کورٹ کے باہر بھی ایک غیر معمولی اور بڑا شخص ثابت کرتی ہے۔ اس کی شخصیت کا یہی وہ نمایاں پہلو ہے جو اسے عام کھلاڑی سے ''حکیم دی ڈریم'' بناتا ہے۔ وہ آج بھی ہیوسٹن کے لوگوں کے لیے ایک ہیرو کا درجہ رکھتا ہے۔ ہیوسٹن راکٹس نے اس کی ریٹائرمنٹ کے بعد چونتیس نمبر کی شرٹ کو بھی ہمیشہ کے لیے ریٹائر کر دیا۔ ہیوسٹن میں اب حکیم کے بعد کوئی کھلاڑی چونتیس نمبر کی شرٹ کبھی استعمال نہیں کر سکے گا۔ امریکی معاشرے میں ہیرو ہونے کے لیے کھلاڑی ہونا ہی کافی نہیں۔ وہاں چوری چھپے شادیاں کرنے والے، ممنوعہ ادویات استعمال کرنے والے، کلبوں میں غیر اخلاقی سرگرمیاں کرنے والے اور کھیل کے میدانوں سے باہر نامناسب رویہ رکھنے والے کھلاڑی صرف اور صرف کھلاڑی ہی رہتے ہیں، ہیرو کبھی نہیں بنتے۔ لمحۂ فکریہ ہے ہمارے لیے!!!

دین و دانش

توبہ کی راہ میں حائل رکاوٹیں اور ان کا علاج

قاضی فضل حکیم

غلطی اور گناہ انسان سے ہی سرزد ہوتے ہیں اور توبہ کرنے والے کے لیے قبولیت کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا، لیکن جب لوگ گناہ کو لذت سمجھ کر کرنے لگیں، گمراہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں، ایسے فعل انجام دینے لگیں جن سے حیا رخصت اور اخلاق ملک بدر ہو جائیں، اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کو حق اور فخر سمجھ کر اختیار کیا جائے تو پھر ایسے لوگوں کا مٹ جانا اور برباد ہو جانا کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں۔ اس کائنات میں انسان کی وقعت اور حیثیت ہی کیا ہے؟ وہ تو پانی کے ایک بلبلے کی مانند ہے جو پانی کی سطح پر جنم لیتا اور چند لمحوں میں دم توڑ دیتا ہے۔ اس کے باوجود انسان اپنی غلط خواہشات کی تکمیل کی خاطر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے بغاوت پر اُتر آتا ہے۔ ایسے انسانوں کا وقتی عروج دائمی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ تاریخ میں انسان نے بنیادی طور پر دو ہی ٹھوکریں بار بار کھائی ہیں یا تو اپنے آپ کو اتنا گرا دیا کہ سورج، درخت، پتھر، آگ اور جانوروں کی پوجا کرنے لگا، یا اتنا سرکش ہوا کہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا۔ ایک صحیح اور معتدل مقام پر فائز ہونے کے لیے ہمیشہ سے اللہ کے پیغمبروں اور نیک بندوں نے بھٹکے ہوئے انسانوں کو توبہ اور رجوع الی اللہ کی دعوت دی ہے۔ انسانی تاریخ اِس بات کی گواہ ہے کہ کم ہی لوگوں نے انبیاء و رسل کی دعوت پر لبیک کہا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ آیئے، ان رکاوٹوں کا مختصر سا جائزہ لیں جو توبہ کی راہ میں حائل رہتی اور حق کا راستہ روکتی ہیں۔

نفس پرستی

توبہ کے راستے میں اصل رکاوٹ خود انسان کی غلط نفسانی خواہشات ہیں جو اس کو برائی پر اکساتی رہتی ہیں۔ نفس انسانی اللہ اور رسول ﷺ سے بغاوت پر آمادہ کرنے والی آرزوؤں کی آماجگاہ ہے۔ قرآن و سنت کی پابندیوں سے سرتابی کے بعد یہ نفس اُس بے لگام اور بے قابو گھوڑے کی مانند ہو جاتا ہے جو نہ صرف انسان کو غلط راہ پر ڈال دیتا ہے بلکہ ہلاکت کی گہری کھائی میں گرا دیتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! افضل جہاد کون سا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''(افضل جہاد یہ ہے کہ) تم اپنے نفس کو اللہ کا تابع فرمان بنالو۔'' قرآن کہتا ہے:

﴿اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ط اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿٤٣﴾﴾ (الفرقان)

''کیا آپ ﷺ نے دیکھا ہے اس شخص کو جس نے اپنی خواہشات نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے، سو کیا آپؐ اس پر نگران ہو؟''

نفس پرستی کی تحریک نے ہمیں حرص و ہوس، غرور و تکبر، نمود و نمائش، اسراف و تبذیر، ظلم و سربریت، عیش و عشرت، نفرت و عداوت، جہالت و خیانت اور خودسری و بغاوت کی دلدل میں دھکیل دیا ہے اور دلدل کے اندر انسان جس قدر ہاتھ پاؤں مارتا ہے اتنا ہی جلد ڈوبتا ہے۔ پانی میں ڈوبنے والا شخص اگر زندہ نہیں تو مرنے کے بعد اوپر آ ہی جاتا ہے مگر جو دلدل میں ڈوب جائے وہ اُس سے باہر نہیں آتا۔ دلدل سے انسان اپنے بل بوتے پر نکل ہی نہیں سکتا۔ اس کے لیے اُسے کسی رسی کی ضرورت ہوتی ہے، کسی کا ہاتھ درکار ہوتا ہے۔ انسان کو دنیا پرستی کی دلدل سے نکالنے والی یہ رسی قرآن و سنت کی رسی ہے جسے تھام کر ہم اس دلدل سے نکل سکتے ہیں۔

میڈیا

الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے غلط استعمال نے انسان اور اللہ تعالیٰ کے مابین نہ صرف فاصلے پیدا

کردیے ہیں بلکہ یہ فاصلے مسلسل بڑھ رہے ہیں۔ میڈیا پر جس مافیا کی گرفت ہے، اُس کا ہدف اسلام اور اسلامی تہذیب واقدار ہے۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝﴾ (لقمٰن)

’’اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو بے ہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) بے سمجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اس سے استہزاء کرے۔ یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔‘‘

پچھلے دو سالوں میں پاکستان میں بدترین سیلابوں نے بربادی کی نئی تاریخ رقم کی ہے۔ ممکن ہے اس کے سدباب کے لیے منصوبہ بندی کی جارہی ہو لیکن میڈیا کے اس تباہ کن سیلاب کا اولاً تو ہمیں احساس ہی نہیں اور اگر کسی درجے میں ہے بھی تو اِس کے سدباب کے لیے کوئی تیار نہیں۔ ہم شاید کسی عذاب کے انتظار میں اس سے صرفِ نظر کر رہے ہیں، اور اس کا راستہ روکنے اور توبہ پر آمادہ نہیں ہیں۔ حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ جنگ کے دوران جنگ کے لیے تیاری اور سیلاب کے دوران بند اور پشتوں کی تعمیر ناممکن ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی جب عذاب کے آثار شروع ہو جائیں تو پھر توبہ و استغفار کسی کام نہیں آتی۔

ماحول

لوگوں کی اکثریت ماحول کے زیرِ اثر زندگی گزارتی ہے۔ مجموعی طور پر اگر ماحول خیر و بھلائی کا ہو تو لوگوں کے افعال و اعمال بھی اسی نہج پر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ بدقسمتی سے آج ہمارا ماحول حکومتی اور عوامی دونوں سطحوں پر خرابیوں سے عبارت ہے۔ اگرچہ خیر کی شمعیں کہیں کہیں ٹمٹما رہی ہیں، تاہم وہ بھی ہلاکت خیز طوفانوں کی زد میں ہیں۔ ہمارا ماحول کھلم کھلا شر اور گناہ کی پذیرائی میں مگن ہے۔ گناہوں کے آسیب نے چاروں طرف سے ماحول کو زہر آلود کر دیا ہے۔ غیر اللہ کی حاکمیت اور شیطان دوستی نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔ اگر ہم نے اپنے گرد و پیش کی اصلاح نہ کی اور غلط نظام کی تبدیلی کے لیے کوشاں نہ ہوئے تو یہ ایسا جرم ہوگا، جس کی سزا مل کر رہے گی۔ اقبال نے کہا تھا ؎

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف!

یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ قیام پاکستان کا مقصد فراموش کر دیا گیا۔ ہماری منزل ایک حقیقی اسلامی فلاحی ریاست کا قیام تھا، جسے اہل عالم کے لیے اسلام کے نظامِ عدل کا نمونہ بننا تھا، مگر ہم منزل کے شعور سے بے بہرہ ہوگئے ہیں۔ منزل انتظار کر رہی ہے اور مسافر ہیں کہ آدھے راستے میں سوئے پڑے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ خوابِ غفلت میں مدہوش قوم کو جگایا جائے اور پھر سے سوئے منزل چلنے پر آمادہ کیا جائے۔ یہی اجتماعی توبہ کا تقاضا ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

انسان جب انسانیت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے تو حیوانیت کے دائرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ حیوانیت کے نتیجے میں انسان اللہ اور رسول ﷺ سے اپنا تعلق بھلا بیٹھتا ہے، انسانی رشتوں کو فراموش کر دیتا ہے، حلال و حرام کی تمیز اُٹھ جاتی ہے، بھائی، بھائی کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے۔ حیوانیت کا لبادہ اوڑھنے والے یہی لوگ معاشرے میں انتشار و فساد کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا۔

﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ڮ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝﴾ (الاعراف)

’’اور ہم بہت سے جن و انس جہنم میں ڈال دیں گے، جن کے دل ہیں مگر ان سے سوچتے سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ جانوروں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔‘‘

نجات کا راستہ

اس صورتِ حال سے نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہم صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کریں، اس کے آگے سرِ تسلیم خم کریں، بغاوت اور سرکشی کے ہتھیار رکھ دیں اور خودسری چھوڑ کر عاجزی اختیار کر لیں۔ اگر ہم ایسا کر لیں تو ہم پر اللہ کی رحمت کا نزول ہوگا۔ رحمتِ الٰہی زندگی میں ایسا انقلاب برپا کرتی ہے کہ انسان خاک کے ذرے سے ماہتاب بن جاتا ہے۔ آنے والے زمانوں کا رُخ خیر کی جانب موڑنے والے لوگ رحمت سے نوازے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کی فکر رحمتِ حق کا کرشمہ ہوتی ہے۔ رحمت ہی مایوسیوں میں امیدوں کے چراغ جلاتی ہے۔ پیغمبرِ اسلام رحمۃ للعالمین ہیں۔ آپؐ کو اپنا کوئی غم نہ تھا۔ غم تھا تو دوسروں کا تھا۔ آپؐ دوسروں کو تکالیف اور گمراہی میں دیکھ کر پریشان ہوتے تھے۔ آدھی آدھی رات تک جاگتے، سجدے میں گریہ وزاری کرتے۔ ہمارے لیے آپؐ کی حیاتِ طیبہ اسوۂ کاملہ ہے۔ ہمیں آپؐ کی پیروی کرنی ہے۔

قارئین! ابھی مہلتِ عمل باقی ہے، ابھی امیدوں اور محنتوں کے چراغ روشن ہیں، ابھی اعتماد کی منزلیں سامنے ہیں، ابھی ہماری جبینیں سجدہ ریز ہونے کے لیے بے تاب ہیں، رب العالمین کی رحمت آ کر رہے گی، گناہ معاف کر دیے جائیں گے، شرط اللہ کے سامنے تسلیم ہونے کی ہے، شرط نبی اکرم ﷺ سے وابستگی کی ہے، شرط نجاتِ اُخروی کی سچی آرزو کی ہے، شرط قرآن حکیم کو عملی طور پر اپنانے کی ہے، شرط رحمت کے استحقاق اور حصولِ رحمت کی سچی طلب کی ہے۔ شرط اظہارِ ندامت یعنی خلوصِ دل سے توبہ ہے۔ اور توبہ کیا ہے؟ سابقہ گناہوں پر ندامت، انہیں چھوڑنا، مستقبل میں گناہوں سے بچنے کا عزمِ مصمم اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- ازروئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھائیے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس
(2) عربی گرامر کورس (I`II`III)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز
قرآن اکیڈمی 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 3-5869501
E-mail: distanceleaming@tanzeem.org

کالم آف دی ویک

تجدیدِ قراردادِ پاکستان

عامرہ احسان

برصغیر میں دو قومی نظریے کی آمد اور پیدائش کو تیرہ صدیوں سے کچھ زائد مدت گزر گئی۔ اس نظریے کو باضابطہ قرار داد، اعلان اور ایک نئی مملکت کے قیام کی ضرورت کے اظہار کو 72 سال کا عرصہ ہوگیا۔ علامہ اقبال نے خطبۂ صدارت الٰہ آباد (1930ء) میں اپنے مطالعے اور مشاہدات، امنگوں آرزوؤں اور خوابوں کا نچوڑ پیش کر دیا تھا۔ یعنی ہندو اور مسلمان کا دو الگ الگ قومیں ہونا اور مستقبل میں ایک ایسی علیحدہ اسلامی ریاست کا قیام جو دورِ حاضر کی مثالی اسلامی ریاست کا نمونہ پیش کر سکے۔

اسی کی خاطر بانئ پاکستان نے ضعیفی اور بیماری کے باوصف ان تھک اور اعصاب شکن محنت کی۔ 23 مارچ 1940 کو مینار پاکستان کے مقام پر (جو اب حالات کی ابتری کے ماروں کے لیے چھلانگ لگا کر خودکشی کرنے کا مقام بن چکا ہے) منظور کردہ قرار داد پاکستان قیام پاکستان کا پیش خیمہ بنی۔ 72 سال بعد اس بے مثل بے بدل اللہ کی عطا کو قرض کی مے پلا پلا کر، ہوش گم کردہ حکمرانوں اور ستی گم عوام کے ہاتھوں ہم وہاں پہنچ گئے ہیں جہاں قراردادِ امریکہ (خدانخواستہ) پاس ہونے کو ہے! ذرا ٹھہریئے...... کیا ہونے چلا ہے......؟

نیٹو سپلائی بحالی کے لیے درپردہ روابط، یقین دہانیاں، خفیہ فضائی زمینی سپلائی تو چپکے چپکے جاری ہے۔ ڈنکے کی چوٹ پر بحالی کے لیے پارلیمنٹ کی ہڈی گلے میں پھنسی تھی، اب وہ نکالنے کی شروعات ہیں۔ ایک طرف زمینی راستہ ہموار کرنے کو خیبر ایجنسی میں نیٹو سپلائی کے مخالفین (را کے ایجنٹ قرار دے کر، یہ کہنے سے لائسنس ٹو کِل مل جاتا ہے) مار مار کر پھینکے جا رہے ہیں۔ جس پر امریکہ ہمارا شکریہ ادا کر چکا اور تھپکی شاباش بھی دے چکا ہے۔ دوسری طرف خفیہ رپورٹ کی قابلِ ہضم سفارشات پارلیمنٹ کے سامنے رکھی جا رہی ہیں انگوٹھا لگوانے کو۔ امریکہ اور نیٹو کو معافی مانگنے پر رضامند کیا جا رہا ہے۔ پیسے وصول کر کے (ذرا زیادہ) سپلائی لائن کھولنے کی بات جاری ہے، تاکہ 'چہ ارزاں فروختند' کا طعنہ کوئی نہ دے سکے۔ حب الوطنی، استحکام اور خود مختاری کا تقاضا ہے کہ دام زیادہ وصول کیے جائیں! قرار دادِ پاکستان والے 23 مارچ کو دو نو مسلم بچیاں دیکھ رہی ہیں۔ فریال اور ڈاکٹر حفصہ، دونوں نے محمد بن قاسم والے سندھ میں پورے شعور اور مطالعے کے ساتھ اسلام کی حقانیت پہچان کر ڈیڑھ ارب امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا رکن بننا چاہا۔ وہ دم بخود رہ گئیں جب ہندو کمیونٹی سے کہیں بڑھ کر مسلمان خود ان کے راستے کی دیوار بن گئے۔ انسانی، نسوانی حقوق، مسلمانی اسلامی حقوق کے تحفظ کی یہ کون سی قسم ہے؟ روشن خیال درجن بھر مسلم وکلاء ہندو مت کی وکالت کرتے ہوئے ڈاکٹر حفصہ کو دارالامان پہنچانے کو یقینی بنا رہے تھے۔ سیاسی جماعتیں (اسلام کی بجائے) ہندو کمیونٹی میں اپنا سیاسی اثر و رسوخ بچانے کی خاطر کمر بستہ تھیں۔ ہمیں تو خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں یہ نئی شدھی سنگھٹن تحریکیں اٹھانے تو نہیں چلے، جن کا مشن یہ تھا کہ آج کے مسلمان ہندو سے ہی مسلمان ہوئے ہیں، لہٰذا ان کو دوبارہ ہندو بنا لینا چاہیے۔

اب تو پاکستان کا سارا پانی پی جانے والا ہندوستان ہمارے سیاست دانوں کا پسندیدہ ترین ملک ہے۔ ہمارے قاف لیگی تو اکثر ہی قشقہ لگائے پیلی پگڑیاں پہنے، پیلی چادریں اوڑھے ان کے مندروں گردواروں کے پھیرے لگا رہے ہوتے ہیں۔ بسنت، دیوالی، ہولی رائج کرنے کو حکومت اور میڈیا یکساں سرگرم دکھائی دیتے ہیں۔ ایسے میں اے اہلِ پاکستان: اپنا اسلام خود سنبھال لو۔ ڈاکٹر حفصہ اور فریال ٹیسٹ کیس ہے! کمال تو یہ ہے کہ گھروں سے بھاگ کر پسند کی شادی رچانے والے ویلنٹائنی جوڑے اسی سول سوسائٹی سے بھرپور تحفظ، پشت پناہی اور آشیر باد پاتے ہیں۔ سبب کچھ اور ہے جس کو تو خود سمجھتا ہے! (سارا بغض اسلام اور ایمان سے ہے)۔ ایک طرف قرارداد پاکستان کے نتیجے میں وجود پانے والے ملک تک پہنچنے اور اسے آباد کرنے کے لیے لاکھوں مسلمان قتل ہوئے۔ سینکڑوں بچے اغواء ہوئے۔ لاتعداد مسلم خواتین ہندوؤں سکھوں نے زبردستی روک لیں۔

تھی جو اک خان کی بیٹی وہ ہے اب شام کی ماں
اب ہے جے پال کی، جگ دیش کی، جے رام کی ماں

لیکن کیا کیجیے کہ قائد و اقبال کا پاکستان اپنی شناخت سے پیچھا چھڑانے کو دیوانہ سا ہو چکا ہے۔ حفصہ اور فریال کو ہندوؤں سے بیاہنے کے درپے ہے! ادھر خود وزیراعظم پاکستان ارشاد فرماتے ہیں، ہم سرائیکیوں کو حق ملنا چاہیے۔ انتظامی نہیں لسانی بنیادوں پر صوبے بنانے ہوں گے! اقبال نے جو کہا تھا ۔

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں!

تو اب ان کا مذہب گویا اسلام نہیں، زبان ہے۔ لسانی بنیادوں پر بنگالیوں کی تحقیر کر کے ہم نے ایک پاکستان کے دو بنا لیے، اب باقی ماندہ کے درپے ہیں۔ ایک طرف تقسیم در تقسیم کے پس پردہ لیڈروں کی مالی ضروریات ہیں۔ دیکھ لیجیے، گلگت بلتستان کا نیا صوبہ اپنے نئے نکور گورنر کی کیسے سیوا کر رہا ہے۔ گورنر کے مکان کی تزئین و آرائش پر دو کروڑ خرچ کر کے ذاتی گھر کو کیمپ آفس بنا کر تین لاکھ ستر ہزار ماہانہ کرایہ وصول کیا جا رہا ہے۔ صوبے بے چارے کا حال یہ ہے کہ فنڈز کی کمی سے کئی مہینے سے سرکاری ملازمین کی تنخواہیں رکی ہوئی ہیں۔ وہاں کے عوام کی گندم کی سب سڈی بھی رکی پڑی ہے۔ اسی پر مزید نئے صوبوں کی وجہ تسمیہ قیاس کر لیں۔ ان کے سوٹوں، گاڑیوں کی براتوں، بنگلوں کے لیے پیٹ کاٹ کر انہیں پالتے عوام کا بھرکس نکل گیا۔ جہاں ایک سینٹ کی نشست 65 کروڑ روپے کی ہو، اگر نشستوں میں مزید اضافہ ہو گیا تو ہمارا کیا بنے گا! خدایا! اب تو 'آیت الکرسی' پر ایمان رکھنے والوں اور ارض و سماوات کی کرسی کے مالک سے ڈرنے والوں کو بھیج دے۔ (زرداری صاحب کی کرسی خطاب کے دوران استعارۂ اُلٹ ہی گئی تھی!) نہ رہے کرسی نہ لٹے ملک۔ بوریا نشینوں کی حکمرانی کے سوا امراضِ کرسی کا علاج کہیں نہیں! یوں بھی جمہوریت کو خود وزیراعظم نے کوئلے کا کاروبار قرار دے

دیا۔ اللہ انہیں روسیاہی سے نجات عطا فرمائے۔

یوم پاکستان پر قیدیوں کی سزاؤں میں تخفیف کی گئی ہے۔ کیا تخفیف جرم بے گناہی یا یوں کہہ لیجیے کہ اسلام سے وابستگی کے جرم، امریکہ دشمنی کے وہم پر لاپتہ کیے گئے قیدیوں کے لیے بھی ہوگی؟ نئے صاحب چارج سنبھال رہے ہیں۔ مظلوم خاندانوں اور ان کے لاپتہ کردہ جگر گوشوں کے لیے یوم پاکستان یا ظہیر الاسلام صاحب میں (اسم بامسمّیٰ ہونے کا امکان؟) کوئی خوشخبری مضمر ہے۔ یک طرفہ یہ شور ہے کہ 'اداروں کو تنقید سے کمزور کیا جا رہا ہے'۔ اسباب تنقید دور کرنے، اعتماد کا بحران ختم کرنے کے لیے بھی کوئی اقدام درکار ہے یا محض دھونس، دھمکی اور حب الوطنی کا خراج وصول کیا جاتا رہے گا؟ کیوں نہ یوم پاکستان تمام لاپتہ افراد کی بازیابی کا دن ہوا۔ کیوں نہ یوم پاکستان امریکہ سے نجات کا دن بنا۔ کیوں نہ اس روز فوج قبائلی علاقوں اور بلوچستان سے واپس بلا کر اپنے اصل محاذ (مشرقی) پر واپس بھیجی دی گئی؟ ملک کا سکھ چین (جو ہم نے امریکہ کے قدموں میں قربان کر دیا)، عزت و وقار، اتحاد و اتفاق کی باتیں بھینس کے آگے بین بجانے میں حرج ہی کیا ہے!

یہ بھی عجیب ستم ظریفی ہے کہ بلوچ قوم پرست لیڈروں کی ایک تاریخ ہے۔ وہ قندھار میں پاکستان دشمنی میں براجمان تھے، جنہیں طالبان نے آ کر وہاں سے نکالا (علیحدگی پسندی میں روس اور بھارت کی پشت پناہی انہیں حاصل تھی)۔ قبائلی پٹی تو کبھی ایک دن بھی روس، بھارت، امریکہ کے ہاتھ نہ بکی۔ یہ پاکستان کے وفادار ترین شہری رہے، تمام تر محرومیوں اور ہماری بے وفائیوں کے علی الرغم! انہیں ہم امریکہ کی فرمائش پر ڈرون اور F.16 آپریشنوں سے بھون رہے ہیں۔ بلوچستان اگرچہ مظلومیت کے گرداب میں ہے تاہم علیحدگی پسند بلوچوں سے یورپی و امریکی دباؤ پر مفاہمت، مذاکرات، مقدمہ ختم کرنے کی بات ہو رہی ہے۔ اُدھر قبائلی بمباریاں سہہ سہہ کر بھی پاکستان سے غداری کا حرف بھی زبان پر نہ لائیں لیکن انہیں پھر بھی لاشوں کے تحفے بدستور تھمائے جاتے رہے؟

اصل جرم آج پاکستان دشمنی نہیں امریکہ دشمنی ہے۔ اتنے افغان روس کے خلاف جہاد کے دوران مہاجر نہ ہوئے جتنے ملک کے اندر ہمارے قبائلی بھائی، اپنوں کے ہاتھوں مہاجر ہوئے' عورتیں بچے بمباری کا نشانہ بھی بنے اور دربدر بھی ہوئے۔ خیبر ایجنسی میں تیزاب زدہ چہروں والی چودہ لاشیں لاپتہ کرنے کے بعد پھینکی گئی ہیں (شرمین کو خبر دیجیے!) یہ جو کچھ بویا جا رہا ہے اسے کاٹنے کی سہار کیا پاکستان کے تن ہمہ داغ داغ میں باقی ہے؟ ہوش کے ناخن لیجیے۔ امریکی شکنجے سے نکلنے کا حوصلہ پیدا کیجیے۔ زرداری صاحب نے فرمایا: ''اداروں کے ساتھ مل کر تاریخ مرتب کر رہے ہیں۔'' قوم دست بستہ عرض کرتی ہے کہ آپ کی مرتب کردہ تاریخ ہمارا جغرافیہ تباہ کر رہی ہے۔ یہ آپ کے بس کا روگ نہیں۔ تاریخ کو کوئلے سے لکھنے کی بجائے آپ حساب کتاب ہی کیجیے، قبل اس کے آپ کا حساب کیا جائے! شنید ہے کہ برطانوی یونیورسٹی (Sussex) میں کرپشن کے مطالعے کے لیے مرکز اور ایم اے کی ڈگری کا اجراء کیا گیا ہے۔ پاکستان یقیناً اس کے لیے خصوصی دلچسپی کا مرکز بنے گا اور طلبہ کے لیے اس مضمون میں تحقیق پر انہیں پی ایچ ڈی کے لائق بھی بنا دے گا!

(بشکریہ روزنامہ ''نوائے وقت'')

ضرورت رشتہ

☆ بیٹی عمر 36 سال، تعلیم ایم اے اسلامیات، ایل ایل بی، دراز قد، الہدیٰ میں ریسرچ سکالر، امور خانہ داری میں ماہر کے لیے نیک سیرت رشتہ مطلوب ہے۔ برائے رابطہ: 0321-4462070

☆ بیٹی عمر 38 سال، تعلیم میٹرک، گھریلو امور میں ماہر کے لیے دینی رجحان کی حامل فیملی سے رشتہ مطلوب ہے۔ برائے رابطہ: 0321-4082836

دعائے مغفرت کی اپیل

- حلقہ کراچی جنوبی کے ملتزم رفیق جناب محمد علی سید کی اہلیہ وفات پا گئیں
- حلقہ کراچی جنوبی کے رفقاء جناب ہمایوں شمیم ، فرخ شمیم کی والدہ کا انتقال ہو گیا
- تنظیم اسلامی پھالیہ کے امیر ڈاکٹر مشتاق احمد کے سسر وفات پا گئے
- تنظیم اسلامی پھالیہ کے رفیق فیصل شبیر کے والد انتقال کر گئے
- تنظیم اسلامی پشاور صدر کے رفیق اسد اللہ کی چچی بقضائے الٰہی وفات پا گئیں

اللہ تعالیٰ مرحومین و مرحومات کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ قارئین و رفقاء سے بھی دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اللھم اغفرلھم وارحمھم وادخلھم فی رحمتك
وحاسبھم حسابًا یسیرًا

ابھی کچھ دیر باقی ہے!

شکیل جعفری

ابھی سوتے رہو بھائی!
ابھی سے کیوں پریشاں ہو؟
ابھی بے روزگاری نے
تمہارے در پہ دستک بھی نہیں دی ہے
تمہارے بچے کی بوتل میں، اب تک دودھ باقی ہے
تمہارے گھر میں راشن ہے، ابھی فاقے نہیں ہوتے
تمہارے اہل خانہ رات کو بھوکے نہیں سوتے
ابھی سوتے رہو بھائی!
ابھی سے کیوں پریشاں ہو؟
تمہارا کچھ نہیں بگڑا
تمہاری والدہ ہیں محترم اب بھی
کہ ان کی کوئی شب اب تک نہیں گزری ہے تھانے میں!
تمہاری بہن کو اب تک کوئی ''کاری'' نہیں کہتا
شریک زندگی کے کھلتے چہرے پر، کسی ظالم نے کب تیزاب پھینکا ہے؟
نہ دختر نیک اختر نے ابھی تک اجتماعی زیادتی کا کرب جھیلا ہے
ابھی سوتے رہو بھائی!
ابھی سے کیوں پریشاں ہو؟
تمہارا کچھ نہیں بگڑا
بتاؤ، کیا کبھی لخت جگر اغوا ہوا ہے
اور کبھی تم سے کسی نے آج تک تاوان مانگا ہے؟
دھماکے ہوتے رہتے ہیں مگر اب تک
تمہارا بھائی مسجد سے بخیر و عافیت گھر پہنچ آتا ہے
بھتیجا اب بھی ان گلیوں میں کھیلتا اور کھلاتا ہے
اور ابھی تک تو کسی نے بھی اسے الٹا نہیں ٹانگا
نہ اس کی لاش گلیوں میں گھسیٹی ہے
ابھی سوتے رہو بھائی!
ابھی سے کیوں پریشاں ہو؟
تمہارا کچھ نہیں بگڑا
ابھی اس ظلم کے عفریت میں اور تم میں
تھوڑا فاصلہ ہے!
اور ابھی تم تک پہنچنے میں
اسے کچھ وقت لگنا ہے
ابھی سوتے رہو بھائی!
ابھی کچھ دیر باقی ہے!!

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شمالی کے زیر اہتمام ذمہ داران حلقہ کا سہ ماہی تربیتی اجتماع

حلقہ کراچی شمالی کے زیر اہتمام 11 فروری 2012ء کو حلقہ کے ذمہ داران کا سہ ماہی تربیتی اجتماع شب بیداری کی صورت میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز فکر آخرت کے حوالے سے تذکیر بالقرآن سے ہوا، جس کی ذمہ داری حلقہ کے ناظم دعوت عامر خان نے ادا کی۔ امیر حلقہ سید اظہر ریاض نے رفقاء کے تربیتی اہداف پر مذاکرہ کرایا، جس میں رفقاء نے بھرپور حصہ لیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ سیشن اختتام کو پہنچا اور رفقاء کو آرام کا وقفہ دیا گیا۔

دوسرے سیشن کا آغاز اگلی صبح پونے چھ بجے ناظم حلقہ شجاع الدین شیخ کی تذکیری گفتگو سے ہوا۔ انہوں نے حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں تقرب بالفرائض والنوافل پر گفتگو کی۔ نماز فجر کی ادائیگی اور ناشتہ کے بعد مقامی تناظیم نے اپنے امراء کے ساتھ اسرہ کے عملی اظہار کے طور پر اجتماع اسرہ کیا، جس میں امراء مقامی تناظیم نے نقیب اور دیگر ذمہ داران نے رفقاء اسرہ کی حیثیت سے شرکت کی۔ اس پروگرام کے لیے سوا سات تا نو بجے کا وقت دیا گیا تھا۔ کوشش کی گئی کہ اسرہ کا اجتماع مقررہ وقت میں اور نظام العمل کی روح کے مطابق ہو۔ اس کے بعد سوال وجواب کا سیشن ہوا، جس میں ''اجتماع اسرہ اور عملی دشواریاں'' کے عنوان سے امیر حلقہ اور ان کے معاونین نے پینل کی صورت میں نقباء کے سوالات کے جوابات دیے اور راہنمائی فراہم کی۔ دیگر سینئر رفقاء نے بھی مذاکرہ کے انداز میں اس پروگرام میں شرکت کی۔ آخر میں امیر حلقہ نے علیل رفقاء کے لیے دعائے صحت اور مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کرائی۔ اس سہ ماہی تربیتی شب بیداری پروگرام کا اختتام صبح دس بجے ہوا۔ اس پروگرام میں 90 رفقاء شریک ہوئے۔ (مرتب: عطاء الرحمٰن عارف)

حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن کے زیر اہتمام سہ روزہ دعوتی پروگرام

حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن کے زیر اہتمام رواں سال کا پہلا سہ روزہ دعوتی پروگرام 17 تا 19 فروری علی پور چٹھہ میں ہوا۔ علی پور چٹھہ میں تنظیم کے واحد ملتزم رفیق سلیم رحمانی ہیں۔ یہ پروگرام خطابات جمعہ اور مختلف مساجد میں دروس قرآن کی صورت میں منعقد ہوا۔ دعوتی پروگرام کا آغاز دو بڑی مساجد جامع مسجد عمر اور مرکزی مسجد میں خطاب جمعہ سے ہوا۔ یہ خطابات بالترتیب نائب ناظم دعوت وتربیت علی جنید اور ناظم حلقہ شاہد رضا نے دیے۔ اور ان میں امت مسلمہ کی موجودہ حالت زار اور کرنے کا اصل کام کے موضوع پر گفتگو کی گئی۔ اُسی روز مغرب اور عشاء کی نمازوں کے بعد مسجد عمر، مرکزی مسجد، مسجد عائشہ، مسجد عثمان غنی، مرکز جماعت اسلامی اور مرکزی مسجد اہلحدیث میں ناظم حلقہ شاہد رضا، خادم حسین اور علی جنید نے اقامت دین، عبادت رب اور شہادت علی الناس کے موضوعات پر دروس قرآن دیے۔ یہ سلسلۂ درس ہفتہ کو بھی جاری رہا۔

ہفتہ کی صبح ناشتہ کے بعد دروس قرآن سے قبل مختلف مکاتب فکر اور جماعتوں سے تعلق رکھنے والے افراد سے گفتگو ہوئی۔ علاوہ ازیں ناظم حلقہ کی قریبی قصبہ رسول نگر میں مقامی علماء کرام سے اجتماعی ملاقات ہوئی، جس میں دعوت واقامت دین اور فرائض دینی کے جامع تصور پر گفتگو ہوئی۔ ان علماء کا تعلق اشاعت التوحید والسنۃ اور تبلیغی جماعت سے تھا۔ یہ ملاقات بہت مفید رہی۔ تین علماء کرام نے اپنی مساجد میں حلقہ قرآنی قائم کرنے کی دعوت دی۔ مولانا عطاء الرحمٰن نے یہ بات زور دے کر کہی کہ مسلمانوں کی اسلام سے دوری کا بنیادی سبب قرآن کے بنیادی پیغام کو چھوڑ دینا ہے۔ علی پور چٹھہ میں مولانا اقبال نعمانی سے خصوصی طور پر ملاقات کی گئی۔ انہوں نے دعوت واقامت دین کی جدوجہد کے حوالے سے بانی تنظیم اسلامی کی کوششوں کی تعریف کی۔ ہفتہ کے روز بعد نماز عشاء درس قرآن کے بعد علی پور چٹھہ کے صحافی حضرات سے ملاقات کی گئی، جو مختلف قومی اخبارات سے وابستہ ہیں۔ اِن میں محمد رفاقت، طاہر وسیم، سیف اللہ بٹ، محمد ناصر، شیخ نعیم، طارق چودھری اور عبدالکریم شامل ہیں۔ ناظم حلقہ نے دورہ کا مقصد واضح کیا اور تنظیم کی پالیسی کے حوالے سے صحافی بھائیوں کے مختلف سوالوں کے جواب دیئے۔ صحافی حضرات نے اس بات کو سراہا کہ تنظیم اسلامی مذہبی ومسلکی تعصبات اور انتخابی سیاست سے علیحدہ رہ کر اقامت دین کی کوشش کر رہی ہے۔ طارق چودھری نے کہا کہ سود کے خلاف بھرپور مہم چلائی جائے اور لوگوں کو اِس گناہ کی شناعت سے آگاہ کیا جائے۔

اس سہ روزہ دعوتی دورے کے تمام پروگراموں کی ترتیب وتیاری کی ذمہ داری علی پور کے ملتزم رفیق سلیم رحمٰن نے انجام دی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور اُسے اُن کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ سلیم رحمٰن کی یہ کاوش رفقاء تنظیم کے لیے قابل رشک مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے۔ (آمین) (رپورٹ: رفیق تنظیم)

تنظیم اسلامی جاتلاں آزاد کشمیر کے زیر اہتمام ایک روزہ دعوتی پروگرام

تنظیم اسلامی جاتلاں آزاد کشمیر کے زیر اہتمام ایک روزہ دعوتی پروگرام 26 فروری 2012ء کو جبی دارالسلام میں ہوا۔ پروگرام کا آغاز تنظیم اسلامی کے بزرگ رفیق سید محمد آزاد کے درس قرآن سے ہوا۔ انہوں نے سورۃ البقرہ کی آیت 177 کی روشنی میں نیکی کے جامع تصور کی وضاحت کی۔ انہوں نے کہا کہ اس آیت میں سورۃ العصر میں بیان کردہ لوازم نجات ہی کو ایک دوسرے انداز میں بیان کیا گیا ہے اور نیکی کے محدود تصور کی نفی کی گئی ہے۔ درس حدیث کے ضمن میں راقم الحروف نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مروی وہ حدیث بیان کی، جس میں نہی عن المنکر کے تین درجات کا ذکر ہے، یعنی ہاتھ سے جہاد، زبان سے جہاد، اور دل سے جہاد۔ دل سے جہاد یعنی برائی سے نفرت کرنا ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ اور اگر برائی دیکھ کر دل میں کڑھن بھی نہیں ہوتی تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ اندر ایمان نہیں ہے۔ مقامی امیر ظفر اقبال نے انقلاب نبویؐ کے اساسی منہاج کے حوالے سے گفتگو کی اور دوسرے انقلابات کے مقابلے میں انقلاب نبویؐ کی ہمہ گیری کو واضح کیا۔ پروفیسر عبدالباسط صاحب نے فہم قرآن کی ضرورت واہمیت بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ قرآن حکیم بندوں کے نام اللہ کا پیغام ہدایت ہے جس کا فہم مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ اس کتاب کے تقاضے اور مطالبات پورے کرنے پر ہی دنیا وآخرت میں کامیابی کی گارنٹی دی گئی ہے۔ ممتاز الحسینی نے مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق پر گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ امت کی سربلندی قرآن مجید کے حقوق ادا کرنے پر منحصر ہے۔ اگر آج مسلمان قرآن کا دامن تھام لیں اور ایمان ویقین کی شاہراہ پر گامزن ہو جائیں تو انہیں ذلت ورسوائی سے نجات مل سکتی ہے۔ امتیاز عزیز نے حالات حاضرہ کے حوالے سے گفتگو کی۔ محمد شبیر نے ایمان بمقابلہ ٹیکنالوجی کے عنوان سے سیر حاصل گفتگو کی۔ بعد ازاں سید محمد آزاد نے ''فہم سیرت'' کے موضوع پر مذاکرہ کرایا۔ اِس پروگرام میں تقریباً 23 رفقاء واحباب نے شرکت کی۔ (رپورٹ: غلام سلطان)

تنظیم اسلامی کا پیغام

نظام خلافت کا قیام

should be to follow in the footsteps of the Prophet ﷺ, and to endeavour toward the mercy of Allah ﷻ. And even though it is difficult, we should be able to overcome those obstacles that seem to provide no way of passage through, no means of resistance. Traveling to the moon and resisting gravity is no great feat at all when we think of traversing the illusive trappings of this dimension that we call the universe and transcending to Heaven, if Allah wills! Now that is a feat worth pushing for, struggling for.

And yet the terrestrial tide is strong. It sometimes seems to me like so many odds are stacked up against the good Muslim. To achieve a Muslim desire, it feels like one must not only pass through the challenges of the earth, but also pass through challenges presented by other human beings.

Now here is the unique Muslim challenge. Hour after hour and day after day, the Muslim is challenged by seemingly attractive things (i.e. things that present themselves as wholesome in nature).

The landscape presented to the Muslim is riddled with opposites, and we must recognize this fact. Having friends of the opposite gender is viewed as a healthy relationship when really it is often a devastating, heartbreaking dynamic.

Not that I am a big proponent of platitudes, but the global society we live in also articulates the idea that war is peace and peace is war (ironically, many a Nobel Peace Prize has been ceremoniously awarded to warmongers). In our modern society, values are just plain mixed up and morality is tampered with by big business and big personalities (i.e. celebrities).

We must learn that it is often the case that our goodly, Muslim desires (e.g. following the Sunnah, attempting to gain Allah's mercy, and ultimately the Garden) often lie in recognizing the *dunya* for what it is: A panorama of opposites.

We must be able to see things for what they really are and understand that by choosing the seemingly more turbulent path, we are in fact regularly choosing the smoother, calmer path.

So society may make a certain avenue seem to be bad and impenetrable when, in fact, it is good and penetrable. For the good Muslim, it is understood that while we are all about belief in the Unseen, what the world presents to us we must view with wary skepticism, and recognize that sometimes the road to Heaven passes through the opposite way that society instructs us to take.

(*Courtesy: "Al-Jumuah"*)

PASSING THROUGH OPPOSITES

Have you ever walked against a tide, felt the briny water resist your every man-made volition? Have you ever climbed a hill? What about a winding stair? Have you ever burned your skin? Has ice cream ever frozen the nerves of your palate? In your whole life, have you ever passed through opposites?

Man is, in his imperfect way, at odds with the world around him. Gravitation weighs him down and resists his desire to transcend the surface of the earth. Ocean's beat his limbs back against the shore. Ice and fire threaten his tender tissue with necrosis and he flees. The hardness of stony mountains halts the human continuum and grafts human generations to parallel yet different geographies. In this way, Spanish generations, for example, have been grafted parallel to French generations.

With all this tremendous resistance, some would argue that it is impossible to resist such tremendous physical odds. How could one resist the earth's powerful attraction and ascend into the heavens? How is it possible to bite granite and pass through unwavering hearts of mountains? How could it be that such a willowy frame as man's forges through pounding oceanic surfs? How did the Eskimo brave the tundra and Arabs traverse the desert? All accounts of man thus far are contrary to reason, polar in nature. It is one big story of opposites passing through opposites.

The truth is that people desired hard enough to pass through opposite substances. When people desired practical metals like iron and precious metals like gold, they passed through mountains. When we were weary of moons made of cheese and desired to see space, we fought gravity and traveled to the moon and back. When we wanted fish, we built boats, divorced the shores and went out to sea. When the days grew short and ponds froze, we gathered lamb's fleece and avian down around our pale necks.

In each human account of discovery, ingenuity, and success, we see a recurring pattern of man having to pass through opposition in order to capture his quarry. Being an imperfect, visceral creation, we are bound to this pattern of existence as long as we occupy this earth of ours.

But we must ask ourselves, specially as believing men and women, the following twofold question: **What kind of opposite are we seeking to pass and for what item are we attempting this miraculous passage?** Is it through the mountain's heart that we are passing and is our intent to mine its hidden metals or perhaps its good salts? Is it through the ocean that we are passing and is it our intent to capture its submarine pearls? What medium are we passing through and with what intent?

Particularly, for the believing woman and man, the challenge is being able to pass through the right opposites and for the right reasons. Pushing through waves and finding fish and pearls are beautiful resistance, but we must ask whether this should be the extent of our worldly passaging.

Being Muslims, our dominating desire